اکرم الہ آبادی

مالنگا کے اسرار

(اکرم الہ آبادی)

جاسوسی دائرہ سیریز

مالنگا کے اسرار

اکرم الہ آبادی

Akram Allahabadi

فرحت پبلیکیشنز۔ممبئی۔انڈیا

جملہ حقوق بحق پبلشر محفوظ ہیں

اس ناول میں شائع ہونے والے تمام واقعات،
مقامات و کردار فرضی ہیں۔اس سے کسی طرح
کی مطابقت محض اتفاقیہ ہے۔جس کی مصنف،
پبلشر و پرنٹر پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔

اس ناول کی دوبارہ اشاعت، ترجمے یا کسی اور مقصد سے استعمال کے
لئے پبلشر کی تحریری اجازت ضروری ہے ورنہ قانونی چارہ جوئی کی جائے گی۔

پرنٹر:۔۔۔۔۔ممبئی۔انڈیا

Akram Allahabadi

الرٹ کال

پولیس کی ٹیلی پرنٹ کمیونیکیشن لائن پر اس وقت صرف ایک پیغام دوڑ رہا تھا، رائے سینا کے شاہی محل سے سات لاکھ کا تاریخی سونے کا تخت پراسرار طور پر غائب ہوگیا ہے۔ یہ میسیج جن جن پولیس اسٹیشنوں پر پہنچتی جاتی، پولیس کے کان کھڑے ہوتے جاتے۔ راجہ مندری جیسے شہر کی تساہل پسند اور سیدھی سادھی پولیس کی زندگی میں یہ پہلا عجیب اور سنسنی خیز واقعہ تھا جو ایک اتنی عظیم اور قیمتی تاریخی امانت اس طرح غائب ہوگئی یا کرادی گئی ہو۔

سٹی پولیس کا نٹیبل اینفلی جینس ڈپارٹمنٹ فوراً ہی مستعد ہوگیا۔ غالباً اسی کی شامت آنے والی تھی۔ آج اینفلی جینٹس برانچ کا پرانا تجربہ کار ادھیڑ عمر اینگلو انڈین انسپکٹر میگی جس کا پورا نام میگوائر تھا، روز کے معمول کے مطابق آج بھی فرصت سے اور دیر میں دفتر آیا تھا، لیکن آفس میں قدم رکھتے ہی اسے سب سے پہلے ڈپٹی انسپکٹر جنرل کا کال ملا۔ وہ اس اچانک طلبی پر گھبرا سا گیا۔ اپنی موٹر سائیکل اس نے ابھی باہر سیڑھیوں پر ہی رکھی تھی، ورنہ اس کے چند منٹ اور اسے نکال کر باہر لانے میں ضائع ہوتے۔ وہ کسی سے گفتگو کیے بغیر سیدھا ڈی۔ آئی۔ جی۔ کے آفس پہنچ گیا۔

راجہ مندری کے ڈی آئی جی بھی اتنے ہی سادہ لوح واقع ہوئے تھے، جس قدر یہ علاقہ اور اس کی پولیس۔ وہ کافی پریشان نظر آرہے تھے۔ اس دو منزلہ پولیس ہیڈ کوارٹرز کی آر سی سی کی بنی ہوئی عمارت میں ان کا دفتر اوپر سرے پر واقع تھا۔ لیکن کسی ذہنی الجھن کی وجہ سے وہ اس وقت باہر ہی ٹہل رہے تھے۔ پولیس ہیڈ کوارٹرز میں بڑے افسروں کے اس تشویشناک

رویے سے ایک سنسنی سی پھیلی ہوئی تھی۔انسپکٹر میگی نے ان کے چہروں سے حالات پڑھنے کی کوشش کی،مگر شاید یہ معاملہ گول تھا اور وہ خود بھی اس سے باخبر نہ تھے۔وہ سامنے پہنچ کر اٹینشن ہوگیا۔

رائے سینا کے تاریخی محل سے سونے کا تخت چوری ہوگیا ہے، یہ آپ کو معلوم ہے؟'' ڈپٹی انسپکٹر جنرل نے ٹہلتے ہوئے اس سے پوچھا۔

''جی، جی ہاں، سنا تو میں نے بھی ہے۔''انسپکٹر میگی مؤدب انداز میں جھوٹ بولا۔

''کیا خیال ہے آپ کا؟''ڈی آئی جی فوراً اس کی طرف پلٹ پڑے۔

مم...میرا؟ یعنی کہ...چوری کی واردات...''

''اف...فوہ۔آپ سی آئی ڈی کے انسپکٹر ہیں یا ملا دو پیازے؟ کون سی خاص بات کہی آپ نے؟''ڈی آئی جی جھنجلا گیا۔

جی میرا مطلب ہے کہ...''

''کچھ مطلب نہیں آپ کا۔جایئے، اس کیس کو ہاتھ میں لے کر جلد از جلد سراغ نکالیے، ورنہ معاملہ سینٹر تک پہنچ گیا تو ہماری ناک کٹ جائے گی۔''ڈی آئی جی نے حکم دیا۔

''بہتر حضور۔میں ابھی سراغ نکالتا ہوں۔''میگی نے مستعدی کا اظہار کیا۔

کہاں سے؟''ڈی آئی جی نے عجیب سے لہجے میں پوچھا۔''کیا آپ کے خیال میں سراغ کوئی صندوق میں رکھی ہوئی چیز ہے جو فوراً مل جائے گی؟''

''میں کوشش کرتا ہوں، حضور۔''

''خیر جایئے۔''ڈی آئی جی یہ کہہ کر پھر اسی طرح ٹہلنے لگے اور انسپکٹر میگی چپ چاپ ان کے کمرے سے نکل آیا۔اس نے واپس لوٹتے ہوئے اپنے آفس سے تین آدمی اور ساتھ لیے اور اپنی موٹر سائیکل وہیں چھوڑ کر ایک پولیس کار میں رائے سینا کے دور بڑے ویران علاقے کی طرف چل دیا۔اس کے ساتھیوں میں پولیس فوٹو گرافر بھی تھا جو نشانات کے پرنٹس

Akram Allahabadi

لینے میں ماہر تھا۔

صنوبر کے درختوں کے درمیان سنگِ ابیض کا بنا ہوا رائے سینا کا تاریخی محل پچھلی چودہ صدیوں سے ہندوستان کے جنوب مشرق میں ایک تاریخی یادگار کی طرح آج بھی صحیح سالم کھڑا تھا اور اس میں محفوظ شاہی قدیم امانتیں اب سرکاری نگہداشت میں آچکی تھیں۔ چالیس چھوٹے بڑے گنبدوں اور دو سو جھجھری دار کھڑکیوں کے علاوہ تیس محراب دار دروازوں اور سات ڈیوڑھیوں اور دیوانوں پر مشتمل یہ تاریخی عمارت آج صدیوں سے ویران پڑی تھی اور آبادی سے دور پرانے شہر آنجتا کے کھنڈرات اس کے اردگرد پھیلتے چلے گئے تھے۔

کبھی اس قصرِ شاہی کی حفاظت تلواروں، نیزوں، بلموں اور کھانڈوں سے مسلح راجپوت فوجیں کرتی ہونگی، لیکن آج صرف پانچ مسلح سپاہی اور ایک فوجی جمعدار اس کے محافظ تھے، جو رائے سینا کے محل کے بڑے داخلی دروازے سے ملحق چوکیوں میں رہتے تھے اور ماہ بماہ ان کی جگہ نئے محافظ تبدیل ہوا کرتے تھے۔ محل میں یا تو محکمہ آثارِ قدیمہ کے ذمے دار لوگوں کو داخلے کی اجازت تھی، یا ان طلباء کو جو تاریخی آثار کے مطالعے کے لیے ہدایت نامہ لے کر آئیں۔ اور یا پھر وہ غیر ملکی سیاح جو راجہ مندری کے ڈپٹی کمشنر سے اس مقام کو دیکھنے کا حکم نامہ لے کر آئے ہوں۔ محل کے دو حصے تھے جن میں سے ایک حصہ مقفل تھا اور اسے صرف سال میں ایک بار محکمۂ آثارِ قدیمہ کے عملے کے لوگ کسی بڑے اور ذمے دار افسر کی موجودگی میں صفائی کیلیے کھولتے تھے۔ ویسے اس میں اور کوئی داخل نہ ہو پاتا۔ دوسرا سامنے والا حصہ جو شاہی حمام، آرام گاہ، غلام گردش اور ڈیوڑھی خاص اور دیوانِ خاص پر مشتمل تھا۔ طلباء سیاحوں اور دوسرے با اجازت آنے والوں کیلیے کھول دیا جاتا تھا۔ اسی حصے میں وہ بڑی نشست گاہ بھی تھی جس میں پرانی شاہی نجی سندوں کے علاوہ اس زمانے کے وزنی اور ہلکے ہتھیار بھی سجے ہوئے تھے۔

ان بدلتی ہوئی ڈیوٹی والے محافظوں کے علاوہ اس محل کا بوڑھا نگراں شنکول جو قوم کا بھیل تھا پچھلے چالیس سالوں سے اس محل کی حفاظت کرتا چلا آرہا تھا۔ صرف اسی بوڑھے بھیل کو

Akram Allahabadi

یہ حق حاصل تھا کہ وہ اس محل کے ہر حصے کی نگہداشت کرتا تھا۔ وہ کم از کم صبح و شام میں دو بار ضرور محل کی غلام گردش سے نکل کر اس محل کا گشت لگاتا۔ شنگول کو پہلے گڑھ کا شاہی خاندان اس خدمت کی تنخواہ دیتا تھا۔ پھر جب یہ تاریخی محل حکومت ہند کی نگرانی میں آ گیا اور اس کا چارج محکمۂ آثارِ قدیمہ نے لے لیا اور تب سے شنگول کو وہیں سے تنخواہ ملتی تھی۔

جس وقت ویراں کا قدیم شہر گنترا کے کھنڈرات کو عبور کرتی ہوئی انسپکٹر میگی کی کار رائے سینا کے تاریخی محل کے دروازے پر رکی تو وہاں سٹی سپرنٹنڈنٹ پولیس اچریکر پہلے سے موجود تھے اور ان کے عملے نے غالباً محل کے مختلف حصوں کی تلاش شروع کرا دی تھی۔ ایس پی اچریکر اس وقت فوجی محافظوں کے جمعدار سے کچھ پوچھ گچھ کر رہے تھے۔

''ہیلو سر۔'' گاڑی سے اترتے ہوئے میگی نے انھیں رسماً سلام کیا۔

''جانتا تھا کہ تم آتے ہو گے، لیکن معاملہ کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔'' ایس پی نے اس کی طرف گھوم کر جواب دیا۔

''صرف اس قدر کہ محل میں محفوظ تاریخی امانتوں میں سے ایک سونے کا تخت غائب ہے۔'' محافظوں کا جمعدار بھی بولے بغیر نہ رہ سکا۔

''اور آپ اسے اتنا مختصر سمجھ رہے ہیں۔'' میگی اس کی طرف گھوم کر بولا۔

''میرا مطلب ہے کہ صرف یہی ایک واقعہ ہوا ہے۔'' جمعدار جھجکتے ہوئے بولا۔

''بوڑھے شنگول کا بیان ہے کہ پچھلے حصے کے اس تہہ خانے میں جس میں کہ ہر قیمتی امانتیں رکھی ہوتی تھیں، صرف پچھلی بار آثارِ قدیمہ کا سپرنٹنڈنٹ داخل ہوا تھا، اس کے بعد سے وہ اسی طرح مقفل تھا اور پھر دوسرے لوگ اس کا راستہ بھی نہیں جانتے۔'' ایس پی اچریکر نے بتایا۔

''کیا آپ نے اس مقام کا معائنہ کیا؟''

''تعجب کی بات تو یہی ہے کہ نہ تو وہاں سے کسی کے قدموں کے نشانات ہیں اور نہ

کوئی اور دروازہ سوائے اس داخلی چور دروازے کے جس سے کہ میں داخل ہو چکا ہوں۔" ایس پی اجریکر نے بتایا۔

"تب تو بات حیرت انگیز ہے۔ لیکن ممکن ہے اس میں کوئی اور چور دروازہ بھی ہو۔" میگی نے کہا۔

"میں تمام دیواریں اور فرش تک ٹھوک بجا کر دیکھ چکا ہوں، ایسا کوئی شبہ میرے نزدیک تو قرین قیاس نہیں۔" اجریکر نے جواب دیا۔

"تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا راستہ جاننے والا ہی کوئی شخص اندر داخل ہوا ہوگا اور اس کا مقصد صرف تخت تک محدود تھا، ورنہ وہاں اور بھی قیمتی چیزیں ہونگی۔" میگی نے کہا۔

"ہیں تو، لیکن سب سے زیادہ قیمتی چیز وہی وہی تخت تھی۔" بوڑھا شنگول پیچھے سے آ کر بولا۔

"آثار قدیمہ کا سپرنٹنڈنٹ پچھلی بار کب اندر داخل ہوا تھا؟" میگی نے اس کی طرف گھوم کر پوچھا۔ وہ اس کے بولنے سے ہی سمجھ گیا تھا وہی بوڑھا محافظ شنگول ہے۔

"کوئی دس دن کی بات ہے۔"

"اس کے بعد کوئی؟"

"جی نہیں، پھر کوئی نہیں آیا۔"

"کیا سپرنٹنڈنٹ ہمیشہ آتا رہتا ہے؟"

"جی نہیں، کبھی مہینے میں ایک آدھ بار، پھر دو تین مہینے میں۔ وہ بھی سرسری طور پر معائنے کیلیے۔"

"خیر، ذرا میں بھی اس تہہ خانے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔"

"آیے میں دکھاؤں۔" شنگول نے کہا۔

"آپ بھی آیے نا۔" میگی نے ایس پی سے کہا۔

Akram Allahabadi

''میں اپنے اطمینان کی حد تک دیکھ چکا ہوں اور پھر اس گھٹی ہوئی فضا میں میرا دم گھبراتا ہے، کوئی خاص بات ہو تو مجھے بلا لینا۔'' ایس پی اچریکر نے معذرت کی۔

اور میگی 'بہت بہتر' کہہ کر مسکراتا ہوا شنگول کے ساتھ اندر داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے فوٹو گرافر اور اس کے دو آدمی بھی تھے۔

آسمان کو چومتی ہوئی چھتوں والے کئی بڑے بڑے ہال نما ایوانوں اور کمروں سے گزرتے ہوئے وہ محل کے پچھلے حصے میں آ گئے، جہاں تین ستونوں کے اوپر بنے ہوئے ایک چبوترے میں ایک تراشیدہ مورتی رکھی ہوئی تھی۔ ان تینوں ستونوں کے درمیان سے گزر کر وہ ایک تنگ سی راہداری میں داخل ہو گئے جسے عبور کرنے کے بعد ایک دوسرا کشادہ ہال انھیں ملا جس کے در و دیوار اور ستونوں پر صدیوں پہلے کے سنگ تراشوں نے اپنی بہترین فنکاری کا مظاہرہ کیا تھا۔

اس ہال کے داہنی سمت کی دیوار میں ایک ممبر بنا ہوا تھا جس کے اوپر ایک بندر کا مجسمہ نصب تھا۔ شنگول نے بندر کا سر مخالف سمت کو گھما دیا جس کے ساتھ ہی ممبر کے سامنے فرش میں ایک چوکور خلاء پیدا ہو گیا جس کے اندر کافی تاریکی تھی۔ مگر اس نے نیچے اتر کر کوئی چیز روشن کر دی تھی۔ میگی نے دیکھا یہ ایک پتلا سا زینہ تھا جس کے ایک سمت دیوار میں ایک شمعدان روشن تھا جس میں موٹی سی موم بتی جل رہی تھی۔

''یہ موم بتیاں سرکاری طور پر روشنی کیلیے لگائی گئی۔'' شنگول نے خود ہی بتایا، لیکن میگی نے اس پر دھیان نہ دیا۔ وہ ان سیڑھیوں سے اتر کر ایک تنگ سی گلی سے گزرتا ہوا اس تہہ خانے میں داخل ہو گیا جو اندر سے خوبصورتی سے بنایا گیا ایک گول کمرہ تھا اور اس میں جا بجا چھوٹے چھوٹے چبوتروں پر بہت پرانے صندوق رکھے ہوئے تھے۔

''ان میں بعض پرانے شاہی لباس، شاہی مہریں اور پرانے سکے ہیں۔ وہ سامنے والے سیاہ صندوق میں چمڑے کے چوڑے فیتوں پر لکھی ہوئی دستاویزات ہیں۔'' شنگول

انھیں بتاتا گیا۔

''وہ تخت کہاں رکھا تھا؟'' انسپکٹر میگی نے پوچھا۔

''دیوار سے ملا ہوا، اس جگہ، اور اس کے اوپر ایک سرخ مخمل جیسے کپڑے کا غلاف بھی تھا،'' شنگول نے انگلی کے اشارے سے اسے بتایا۔

میگی نے قریب پہنچ کر دیکھا۔ اس جگہ دیوار کے پاس دھول کی بہت ہلکی تہہ جمی تھی، جس میں شاید اس تخت کے چاروں پایوں کے نشانات پڑ گئے تھے۔

''اسے باقاعدہ اس کے قریب کھڑے ہو کر احتیاط سے اٹھایا گیا ہے، گھسیٹا نہیں گیا،'' میگی بڑبڑایا۔ شنگول خاموشی سے اس کی صورت دیکھ رہا تھا۔

''اندازاً کتنا وزنی ہو گا وہ؟''

''صاحب، یہ مجھے ٹھیک سے معلوم نہیں، لیکن ایک مرتبہ جب صفائی کیلیے اس جگہ سے ہٹایا گیا تو تین آدمیوں نے مل کر اسے ہٹایا تھا،'' شنگول نے بتایا۔

''تب بھی یہ کم از کم دو آدمیوں کا کام ہو گا۔ دو آدمی، جو کافی چالاک ہوں اور سپاٹ تلوؤں والے کپڑے کے جوتے پہنے ہوئے ہوں۔'' وہ جیب سے محدب شیشہ نکال کر آس پاس کی زمین کو بہت غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔ شنگول نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی موٹی روشن موم بتی اس کے قریب کر دی تھی۔

''یہ کیسے معلوم ہوا آپ کو؟'' شنگول نے پوچھا۔

''تخت کے چار پایوں کے دونوں طرف بہت خفیف سے سپاٹ نشانات ہیں یہ۔''

''لیکن جوتے چمڑے کے بھی تو ہو سکتے ہیں؟'' فوٹو گرافر نے گویا اپنی رائے دی۔

''نہیں، ذرا اور غور سے دیکھو، ان میں بہت خفیف سے گڑھے ہیں۔ بہت خفیف سے تلے چمڑے کے ہوتے تو پیر کے وزن میں انگلیوں کے یہ خفیف نشانات نہ ابھرتے اور اگر ننگے پیر ہوتے تو یہ نشانات زیادہ واضح ہوتے۔'' میگی نے قیاس آرائی کی۔

Akram Allahabadi

"تو کیا... کیا یہ بھوتوں کا کام ہے؟" عشنکول کے منہ سے نکلا۔

"ایسی کیا بات ہوئی بھلا؟" میگی اس کو غور سے دیکھنے لگا۔

"سنا ہے روحیں یا بھوت سر سے پیر تک یا تو ننگے رہتے ہیں یا کسی ایک کپڑے میں لپٹے ہوئے۔" وہ کسی قدر سراسیمہ لہجے میں بولا۔

"تمہاری عقل بھی بوڑھی ہو چکی ہے شاید۔" میگی نے برا سا منہ بنایا۔

"نہیں صاحب، مجھے کبھی کبھی ایسا شک گزرا ہے کہ جیسے سفید سفید سائے محل کے ویران کمروں میں ٹہلتے پھرتے ہوں۔" عشنکول نے بتایا۔

"تم نے آنکھوں سے دیکھا ہے؟"

"بس ایک بار ہوا ہے جیسے کوئی سفید سی چیز نظر پڑتے ہی اوجھل ہو گئی ہو۔" عشنکول نے بتایا۔

"یہ تمہارا وہم ہوگا۔ کوئی ایسی ہی بات ہوتی تو یہ تخت کبھی کا غائب ہو چکا ہوتا۔ لے جانے والے کو ڈر کس کا تھا۔" میگی نے تقریباً جھڑکنے والے انداز میں اسے جواب دیا۔

تہہ خانے کو بغور دیکھنے کے بعد میگی فوٹو گرافر کو تخت کی خالی جگہ کی تصویریں اور تہہ خانے اور اس کے داخلی دروازے کے فوٹو لینے اور اگر ممکن ہو تو تخت کے پاؤں اور ان کے آس پاس کسی کے قدموں جیسے سپاٹ نشانات کے پرنٹ بھی لینے کی کوشش کرنے کی ہدایت دے کر باہر نکل آیا۔

"میں یہاں ٹھہر کر اور غور سے حالات کا جائزہ لینا چاہتا ہوں۔" میگی نے آ کر ایس پی اچ یکر سے کہا۔

"آپ ٹھہرے، میں تو چلا۔ اپنی رپورٹ میں نے مکمل کر لی ہے، باقی دیکھا جائے گا۔" ایس پی نے باہر کی طرف آتے ہوئے کہا۔

"کیا آثارِ قدیمہ کے سپرنٹنڈنٹ کا بیان لیے بغیر وہ مکمل ہو گئی؟" انسپکٹر میگی نے

Akram Allahabadi

مسکرا کر پوچھا۔

''وہ میں ان سے شہر میں ہی مل کر لے لونگا۔'' ایس پی یہ کہتے ہوئے اپنی پولیس کار میں بیٹھ گئے اور ان کے ساتھ ہی ان کے آدمی بھی۔ ان کے جانے کے بعد میگی محافظوں کے جمعدار سے مخاطب ہوگیا۔

''پچھلے دو تین دنوں میں کیا ادھر سے کسی قسم کے لوگ گزرے ہیں؟'' میگی نے پوچھا۔

''کوئی بھی نہیں۔ نہ تو تقریباً ایک مہینے سے کوئی سیاح یا طالب علموں کا کوئی گروہ آیا ہے نہ ہی کوئی اجنبی۔'' اس نے بتایا۔

''مغلوں کے بیان کے مطابق یہ گمشدگی پچھلے دس دنوں کے اندر عمل میں آئی ہے، کیونکہ دس دن پہلے جب آثارِ قدیمہ کا سپرنٹنڈنٹ یہاں آیا تھا، اس وقت تخت موجود تھا۔'' میگی کہنے لگا۔

''ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے۔''

''لیکن میرا خیال ہے کہ اس تخت کی پراسرار گمشدگی کی واردات پچھلے دو تین دنوں میں ہی ہوئی ہے۔''

''وہ کیسے؟'' محافظ نے حیران ہوکر پوچھا۔ میگی کی نگاہیں بغور اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

''زیادہ دن ہوتے تو تخت کے پیروں کے نشانات پھر گرد سے ڈھک جاتے۔''

''تو کیا گرد تہہ خانوں تک پہنچتی ہے؟''

''ہوا داری کیلیے اس کی ڈیوار کے اوپری حصوں پر جو باریک باریک سوراخ ہیں ان سے آتی ہوگی۔''

''مجھے نہیں معلوم، میں نے اب تک وہ تہہ خانہ نہیں دیکھا ہے، ممکن ہے آپ کا خیال

ہی صحیح ہو۔" جمعدار کے لہجے میں سچائی اور بے نیازی نمایاں تھی۔ان کے باتیں کرتے ہوئے ایک اور محافظ بھی قریب آ کر کھڑا ہوا۔

"اچھا اس راستے سے، میرا مطلب ہے محل کے آس پاس پچھلے دو چار دنوں میں کوئی دیکھا گیا ہے؟"

"ویسے تو کوئی نہیں، صرف کبھی کبھی کچھ دیہاتی لوگ اس محل کے سامنے سے گزرتے ہوئے اپنے علاقوں کو جاتے ہیں، لیکن ان میں سے کبھی کسی نے اس تاریخی عمارت سے کوئی دلچسپی نہیں لی۔"

"اور کوئی، ذرا ٹھیک سے یاد کیجیے؟"

"پرسوں دو چار سادھو بھی گزرے تھے ادھر سے اور ہم سے انھوں نے پانی مانگ کر پیا تھا۔" پیچھے کھڑا ہوا محافظ بول اٹھا۔

"اچھا۔" میگی چونکا۔"کس وقت کی بات ہے یہ؟"

"دوپہر کی بات ہوگی۔"

"کیا تم میں سے کسی نے ان سے پوچھا کہ کہاں سے آ رہے ہیں؟ کہاں جا رہے ہیں؟"

"یہ شاید کسی نے نہیں پوچھا۔ ہم لوگ اس جگہ کسی سے زیادہ باتیں نہیں کرتے۔" محافظ نے مؤدب لہجے میں بتایا۔

"وہ آپس میں تو کسی قسم کی گفتگو کر رہے ہوں گے؟"

"اوہ، ہاں، یاد آیا صاحب۔ان میں سے ایک اس محل کی بڑی تعریف کر رہا تھا۔ مجھ یاد پڑتا ہے کہ اس نے اسے اندر سے دیکھنے کی خواہش بھی ظاہر کی تھی، لیکن ہم نے انکار کر دیا کہ بغیر سرکاری اجازت کے کوئی اندر نہیں جا سکتا۔"

"ارے...؟" میگی پھر چونکا۔"پھر وہ کہاں گئے؟"

''وہ فصیل کے کنارے کنارے آگے چلے گئے۔''

''تم لوگ پہرہ کہاں تک دیتے ہو؟''

''چاروں فصیلوں پر پر ایک ایک آدمی رہتا ہے اور پھر ہم دو آدمی دروازے پر رہتے ہیں۔''اس نے بتایا۔

''کیا محل میں کسی اور راستے سے کوئی داخل ہو سکتا ہے؟''میگی نے پوچھا۔

''یہ تو ممکن ہی نہیں ہے، صاحب۔اور کوئی راستہ ہی نہیں ہے۔ایک پچھلا دروازہ ہے تو وہ کبھی کھولا ہی نہیں گیا، اس پر بھاری بھاری تالے لٹکے ہوئے ہیں۔''جمعدار بیچ میں بول اٹھا۔

''وہ سادھو کپڑے کیسے پہنے ہوئے تھا؟''میگی نے سپاہی سے پوچھا۔

''سفید چادر میں لپٹے تھے شاید۔''سپاہی نے بتایا۔

''اوہ..اچھا...خیر اب آپ لوگ اپنا کام کیجیے۔''یہ کہہ کر وہ ٹہلتا ہوا پھر اندر چلا گیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سراغ رساں موت کی آغوش میں

دوسرے دم تمام پولیس ہیڈ کوارٹرز میں ہلچل مچی ہوئی تھی اور اخباروں میں شائع ہونے والی ایک سنسنی خیز خبر نے سارے شہر میں ہلچل مچادی تھی۔صبح صبح رائے سینا کے تاریخی محل کے محافظوں کے جمعدار نے خبر دی تھی کہ محکمہ خفیہ کے انسپکٹر میگی کی لاش محل کے پیچھے تقریباً نصف میل کے فاصلے پر ایک درخت سے لٹکی پائی گئی ہے۔ایس پی اچریکر خبر پاتے ہی اپنی کار لے کر دوڑ پڑے۔انسپکٹر میگی کی لاش بڑی بھیانک حالت میں پائی گئی۔وہ کل کی طرح اسی سادے سوٹ میں ملبوس تھے۔ان کی آنکھیں باہر نکل پڑی تھیں اور زبان بھی نکل آئی تھی۔ ہاتھوں کی انگلیاں تشنج جیسے عالم میں اکڑ گئی تھیں، لیکن پیروں کے پنجے لٹکے ہوئے تھے۔لاش درخت کی شاخ سے لٹک رہی تھی۔

لیکن اس سے بھی زیادہ ایک حیرتناک بات یہ تھی کہ اس لاش کے پاس ہی درخت کے ایک پتے پر کسی زردی چیز سے جو خشک ہو چکی تھی، ایک چھوٹی سی عبارت لکھی پائی گئی تھی، جو پولیس والوں کیلیے قابلِ قبول ہو یا نہ، لیکن انتہائی پراسرار اور ہیبتناک تھی۔اس میں لکھا تھا۔

''ہماری امانت واپس لاؤ ورنہ ہم روحوں کا انتقام اس سے بھی زیادہ خوفناک ہوگا''

''کیا اس پر یقین کر سکتے ہو؟'' ایس پی نے اپنے اسسٹنٹ انسپکٹر گردھر سے پوچھا۔

''لیکن ...لیکن اگر یہ فعل مجرمانہ ہے تو پھر امانت کی واپسی کا مطالبہ کیا معنی رکھتا ہے۔'' انسپکٹر نے رائے زنی کی۔

''امانت سے مراد وہی گمشدہ تخت ہو سکتا ہے، لیکن روحوں کا مطالبہ ہے۔''

ایس پی سوچنے لگا۔''ہو سکتا ہے کہ یہ بھی مجرموں کی کوئی چال ہو۔'' وہ بولا۔

Akram Allahabadi

''ایک ذمے دار سی آئی ڈی آفیسر کا اس دیدہ دلیری سے خون کر دینا کچھ کم خوفناک بات نہیں۔اگر یہ کام کسی نا قابلِ یقین آسیب کا نہیں تو پھر مجرم یقیناً بڑے حوصلہ منداور خطرناک ہیں۔''انسپکٹر گردھر نے کہا۔

''اس طرح تو ہم سب کیلیے بھی خطرہ ہے۔''ایس پی نے کسی قدر متاثر لہجے میں کہا۔

''ٹھہریے،لیکن رائے سینا کے محل کے محافظوں اور اس بوڑھے آدمی سے ان روحوں نے انتقام کیوں نہیں لیا؟''انسپکٹر بولا۔

''بھئی عجیب معاملہ ہے،میری سمجھ میں تو کچھ نہیں آرہا۔''ایس پی جھنجلا کر پلٹنے لگے۔''موقع واردات کا پوری طرح معائنہ کر ڈالا گیا،لیکن وہاں کسی قسم کی علامت تو کجا یہ بھی اندازہ نہیں کیا جاسکا کہ انسپکٹر میگی کو یہاں تک لایا گیا ہوگا یا وہ خود اس مقام تک پہنچا تھا۔''

لٹکی ہوئی لاش اور مقام کے فوٹو لینے کے بعد واپس لوٹتے ہوئے تقریباً ان سب کے دل ڈرے ہوئے اور قدم بھاری تھے۔میگی جیسے تجربہ کار سی آئی ڈی آفیسر کی موت نے ہر پولیس آفیسر اور ہر پولیس مین کے دل میں ایک عجیب سا خدشہ پیدا کر دیا تھا،جس کا اظہار اگر چہ ان میں سے کوئی بھی دوسرے پر نہ کرنا چاہتا تھا،اور بظاہر تمام تر گفتگو غصے وغضب سے بھری نظر آتی تھی،لیکن یہ ساری باتیں کھوکھلی تھیں۔محافظوں کے جمعدار کے ہوش بھی گم تھے۔وہ اس واردات سے کافی خوفزدہ نظر آرہا تھا۔لیکن بوڑھے شنگول پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں ہوا تھا۔اس نے تو صرف اتنا کہا کہ میرے ایک جوان بیٹے کی موت بھی اسی محل میں اسی طرح اچانک اور عجیب طرح سے ہو چکی ہے۔اسے جیسے کسی نے محل کی فصیل سے اٹھا کر نیچے پھینک دیا تھا۔لیکن کچھ پتا نہیں کہ شاید وہ خود ہی اس پر چڑھ کر گرا ہو۔

بہر حال پولیس ان دو مسلسل اور خطرناک ترین وارداتوں کے بارے میں کوئی ٹھوس نظریہ قائم نہیں کر سکی اور دوپہر تک اخباروں نے بھی خوب نمک مرچ لگا کر ان خبروں کو اچھال

دیا، جس سے پولیس کے حلقوں سے لے کر شہر کی عام آبادی تک میں سنسنی پھیل گئی۔

وہ تمام دن پولیس ہیڈ کوارٹرز میں طرح طرح کی چہ میگوئیوں میں گزرا۔ شام کو وہ سب انسپکٹر میگی کے جنازے میں شریک ہوئے اور اس کے بعد منتشر ہو گئے۔ انسپکٹر جنرل نے اس سلسلۂ واردات کی تفتیش کی ذمے داری سپرنٹنڈنٹ اچر یکر کو ہی سونپ دی۔ اور تب سے ان کا فکر کے مارے برا حال تھا۔ اس قسم کے پراسرار اور دہشتناک کیسوں میں کبھی انھوں نے ہاتھ نہیں ڈالا تھا، نہ ہی انھیں حل کرنے کی کافی صلاحیت رکھتے تھے۔

سی آئی ڈی کے عملے نے کنترا کے کھنڈر کھنگال ڈالے، ہر ممکن طریقۂ تفتیش کو آزما کے دیکھ لیا، لیکن کوئی ایک بھی راستہ ایسا نہ ملس جس سے میگی کے قتل پر کچھ روشنی پڑ سکے۔ خود میگی کے ساتھ گئے ہوئے تین آدمی جن میں ایک پولیس فوٹو گرافر بھی تھا میگی کی گمشدگی پر حیران تھے۔ ان کا بیان تھا کہ اس رات میگی نے وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا تھا اور اپنے آدمیوں کو شہر لوٹا دیا تھا۔

خفیہ طور پر اسی شام کو رائے سینا کے محافظ دستے کے جمعدار کو بھی گرفتار کر لیا گیا تھا۔ یہ محض شبہ تھا اور اس سے جب انویسٹی گیشن روم میں خود ڈپٹی انسپکٹر جنرل نے مختلف سوالات کیے تو اس کے بشرے کی کیفیتوں، اس کے اندازِ تکلم اور سوالات کے ردِ عمل سے یہ یقین کرنا پڑا کہ وہ بھی اس سلسلے میں اتنا ہی انجان ہے جس قدر دوسرے۔ باقی فوجی محافظ سے پہلے ہی سولات کیے جا چکے تھے، لیکن انھوں نے تو شام کے بعد انسپکٹر میگی کو محل کے احاطے سے نکلتے بھی نہ دیکھا تھا۔

☆☆☆☆☆☆

دن بھر کی ان ذہنی پریشانیوں سے تھک کر ڈی آئی جی آغا صاحب جو دیر سے سوئے تھے، خطرات کے محکمے کے اعلیٰ افسر ہوتے ہوئے بھی وہ کم از کم اپنے گھر میں بے فکری کی نیند

سوتے تھے، کیونکہ ایک تو ان کا اپنا بھرا پستول سرہانے تھا، دوسرے بنگلے کے دروازے پر دو مسلح محافظ پہرہ دیا کرتے تھے۔اس کے باوجود آج آدھی رات کو وہ بری طرح چونک کر اٹھ بیٹھا۔ کھٹکے پر چونکنے والے خرگوش کی طرح ان کے کان کھڑے ہو گئے تھے۔سب سے پہلے ان کا ہاتھ سیدھا تکیے کے نیچے رکھے ہوئے ریوالور پر گیا، پھر انھوں نے آہستہ سے کروٹ بدل کر بیڈ سائیڈ ٹیبل پر رکھے ہوئے ٹیبل لیمپ کا سوئچ آن کر دیا۔لیکن کمرہ بدستور اندر سے بند تھا اور سرہانے کی کھلی کھڑکی کے نیچے دور تک چھٹکی ہوئی چاندنی میں پھیلا ہوا میدان صاف نظر آ رہا تھا۔

اچانک پھر ایک بھاری بھدی آواز کمرے میں سرگوشی کرتی سنائی دی۔

''ہماری امانت واپس لاؤ، ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے۔''

وہ اس آواز پر ہکا بکا ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگے، پھر کچھ سوچ کر پلنگ پر چڑھ کر وہ جست کر کے روشن دان تک پہنچ گئے، لیکن کچھ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ انجانی، پراسرار آواز کہاں سے آ رہی ہے۔

تو کیا... کیا یہ ان روحوں کی آواز ہے ...؟ رائے سینا کے تاریخی محل یا گنترا کے کھنڈروں میں بسنے والی ان روحوں کی، جو شاید گنترا کے شاہی خاندان کے ان افراد کی ہونگی جو کئی سو سال پہلے اسی محل میں اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مارے گئے تھے اور رائے سینا کے محل کے تہہ خانے میں مدفون شاہی یادگاریں جن کی امانت تھیں۔

یہ سوچتے ہی ڈی آئی جی کو ایک خوفناک وقتی احساس سے جھرجھری سی آ گئی۔وہ آواز ایک بار پھر گونجی۔

''ہماری امانت واپس لاؤ۔''

اور اس بار ایک انجانے سے نفسیاتی خوف کے زیر اثر ڈی آئی جی گھبرا کر دروازہ کھولتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔دوسرے کمرے میں سامنے ٹیبل پر ٹیلی فون رکھا تھا۔

کمرے میں روشنی کر کے وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے اس کا ڈائل گھمانے لگے۔

''ہیلو، میں اچریکر بول رہا ہوں۔'' دوسری طرف سے جواب ملا۔

''بھئی ایک عجیب سی بات ہے، اچریکر صاحب۔'' ڈی آئی جی نے کہا۔ اور یہ کہتے ہوئے اس پراسرار آواز کا واقعہ انھیں سنا دیا۔

''عجیب اتفاق ہے، جناب۔'' اچریکر نے مؤدب لہجے میں فون پر کہا۔ ''بالکل ایسا ہی واقعہ میرے ساتھ ہوا ہے، میں خود آپ کو فون کرنے والا تھا۔''

''تو کیا یہ روحوں کا مطالبہ کچھ کم دہشت انگیز ہے؟'' ڈی آئی جی نے ان سے پوچھا۔

''یہ الف لیلیٰ جیسے حیرتناک حالات میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہے۔ خدا جانے بیٹھے بٹھائے یہ کیا کچھ ہونے لگا ہے۔'' ایس پی اچریکر کی آواز فکر و خوف سے متاثر تھی۔

''خیر آپ بھی محتاط رہ کر رات تو بسر کیجیے، صبح دیکھا جائے گا۔''

''بہتر ہے۔'' اچریکر نے جواب دیا۔

اس کے بعد ڈی آئی جی نے فون رکھ دیا اور کمرے میں پریشانی کے عالم میں ٹہلنے لگے۔ انھوں نے گھر کے کسی افراد کو جگانا بھی مناسب نہ سمجھا اور جگاتے بھی تو کوئی کیا کرتا۔

لیکن صبح جس وقت سپرنٹنڈنٹ اچریکر خود ڈی آئی جی کے بنگلے پر پہنچا تو وہ کافی فکر مند بیٹھے تھے۔

''تمھیں رائے سینا کے محل سے کوئی اطلاع ملی؟'' ڈی آئی جی نے رسمی مصافحے کے بعد پوچھا۔

''جی ابھی تک تو کچھ نہیں۔'' ایس پی نے معصومیت سے جواب دیا۔

میرے پاس ابھی فون آیا تھا وہاں بھی رات بھر اسی قسم کی آوازیں سنائی دیتی رہی ہیں۔'' ڈی آئی جی نے بتایا۔

Akram Allahabadi

''خدا جانے کیا اسرار ہے۔'' ایس ی اچریکر نے انگریزی میں اظہارِ حیرت کیا۔

''اگر یہ کسی نظر نہ آنے والی طاقت کی آواز ہے تو پھر ہمیں روحوں کا قائل ہونا پڑے گا۔'' ڈی آئی جی کا لہجہ سنجیدہ تھا۔

''میں نے اپنا پورا بنگلہ چھان مارا، لیکن کچھ پتا نہیں چل رہا۔ وہ آواز مجھے اپنے سونے کے کمرے میں ہی سنائی دی تھی، جبکہ باہر گھر کے لوگوں میں سے کسی نے اسے نہیں سنا۔'' اچریکر نے بتایا۔

''ہمارے اسٹاف میں تو ایسے ماہر سراغرساں نہیں ہیں جو ان پیچیدہ اور عجیب حالات کا سراغ لگا سکیں۔ ہمیں یقیناً بمبئی یا سینٹر کی مدد لینی پڑے گی۔'' ڈی آئی جی نے اچریکر کو گھورتے ہوئے اظہارِ خیال کیا۔

''میں آج ہی ہوم ڈپارٹمنٹ سے اجازت لے کر بمبئی ٹرنک کال کرتا ہوں۔''

''مجھے ڈر ہے کہ جو پراسرار آوازیں ہماری خواب گاہوں تک پہنچ سکتی ہیں ان کے نظر نہ آنے والے ہاتھ ہم پر حملہ آور بھی ہو سکتے ہیں۔'' اچریکر نے اندیشے کا اظہار کیا۔

''ممکن ہو تو شب بیداری کی جائے۔ بہرحال مجھے یقین ہے کہ اگر حکومت بمبئی سے ہمیں عارضی طور پر سراغرساں سپرنٹنڈنٹ خان کی خدمت حاصل ہو گئیں تو وہ ضرور ان ہولناک واقعات کا کوئی علاج بتا سکیں گے۔''

''بہتر ہے، جیسے آپ کی مرضی۔''

چنانچہ ڈی آئی جی اسی وقت لباس تبدیل کر کے تیار ہو گئے اور ایس پی اچریکر ان سے رخصت ہو کر پولیس ہیڈ کوارٹرز کی طرف چل دیے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

روحوں کا مطالبہ

حکومت بمبئی نے فراخ دلی سے راجہ مندری کی درخواست قبول کرلی اور اسی شام ٹرنک کال سے انسپکٹر جنرل پولیس کو اطلاع مل گئی کہ بمبئی پولیس کے شعبۂ سراغرسانی کے انچارج سپرنٹنڈنٹ حضور احمد خاں معہ اپنی یونٹ کے کل صبح ۱۱ بجے طیارے سے راجہ مندری کیلیے روانہ ہورہے ہیں۔ بمبئی کی اس اطلاع سے مقامی پولیس حلقوں میں خوشی کی ایک لہر دوڑ گئی، ورنہ پچھلے دو دنوں کے حالات نے تو ہر پولیس افسر کو اپنی جگہ خوفزدہ کردیا تھا۔ انسپکٹر میگی کا حشر ان سب کی نظروں میں گھومتا رہتا۔ بظاہر وہ بتاس اور مطمئن نظر آتے ہوئے بھی ذہنی طور پر پریشان تھے۔ پچھلے دو دنوں سے سنائی دینے والی ان آوازوں نے صورتِ حال کو اور زیادہ سنسنی خیز بنادیا تھا۔

پچھلے دو دنوں سے حفظِ ماتقدم کے طور پر ڈی آئی جی اور ایس پی اچریکر دونوں کو رات بھر جاگنا پڑ رہا تھا اور وہ پراسرار آواز نصف شب کو اسی طرح سنائی دے رہی تھی۔

دوسرے دن دوپہر کو ۱ بجے ڈپٹی انسپکٹر جنرل منظر آغا خود مع سپرنٹنڈنٹ اچریکر اور دوسرے اسٹاف کے ہوائی اڈے پر پہنچ گئے۔ بمبئی سے آنے والا ایئر انڈیا انٹرنیشنل مسافر بردار طیارہ صرف پانچ منٹ لیٹ تھا۔ اس کے زمین پر آتے ہی پولیس آفیسرز ہی اترے تھے، کیونکہ راجہ مندری میں ایئر ٹریفک بہت کم چلتا تھا۔ شاذ و نادر ہی کوئی سرکاری افسر، کوئی وزیر یا پھر کوئی بڑا دولتمند یہاں ہوائی جہاز سے اترتا یا سوار ہوتا۔ عام طور پر یہاں صرف ڈاک تقسیم کرنے والا طیارہ اترا کرتا تھا۔ طیارے سے باہر آنے والوں میں سب سے آگے ایک ۲۸۔۳۰ سالہ جوان، اوسط قد و قامت، کسی قدر خوبصورت سا آدمی تھا، جس نے سرمئی رنگ کا گرم سوٹ پہن رکھا تھا۔ اس کے پیچھے ایک موٹی سی بھدی شکل کا قد آور آدمی تھا، جس کے چہرے سے درشتگی کے

آثار نمایاں تھے اور اس کے ساتھ ہی ایک اکہرے سے بدن کا مکھی ماڈل باریک ہٹلری مونچھوں والا جوان سا آدمی تھا۔ان تینوں کے چہرے کے آثار نمایاں تھے۔وہ کافی بارعب اور بھاری بھرکم معلوم ہوتا تھا۔اس نے گہرے رنگ کا چاکلیٹی اوورکوٹ پہن رکھا تھا۔اس کی نظریں تیز اور چمکیلی تھیں،لیکن چہرہ ڈاڑھی مونچھوں سے بے نیاز۔اس کے برعکس اس کے پیچھے آنے والا ایک پہلوان نما لمبے چوڑے آدمی کے چوڑے چہرے پر تقریباً تین تین انچ لمبی اور گھنی مونچھیں تھیں۔سب سے پہلے اترنے والے نوجوان آدمی سے ایس پی اچریکر نے مصافحہ کیا۔

''آپ...؟اچریکر کا لہجہ سوالیہ تھا۔

''جی، میں چھوٹا خان صاحب...''

''چھوٹا خان صاحب؟''ایس پی اچریکر کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

''یعنی جیسے چھوٹا ناگپور۔ویسے مجھ کمترین کو سارجنٹ بالے کہتے ہیں۔''وہ خود اپنا تعارف کراتے ہوئے بولا۔''اور تکلف برطرف میں خود ہی سب کا سب سے تعارف کرائے دیتا ہوں۔''یہ کہہ کر وہ مہمان کی جگہ میزبان بن گیا۔

''آگے آیئے۔''اس نے اسرار کو اشارہ کیا۔''آپ سے ملیے آپ ہیں بھائی پراسرار،بمبئی سی آئی کی ناک کے چند بالوں میں سے ایک۔''وہ بے تکلفانہ لہجے میں بولا۔لیکن اسرار ایس پی کے رتبے کا احترام کرتے ہوئے اٹینشن ہوگیا۔ڈی آئی جی آغا بھی ایک طرف کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے۔

اتنے میں اوورکوٹ والے نووارد کیلیے سب نے راستہ چھوڑ دیا۔وہ مسکراتا ہوا خود ایس پی اچریکر کے قریب آگیا۔

''غالباً خاں صاحب آپ ہی ہیں؟''ڈی آئی جی خود آگے بڑھ آئے۔

''جی ہاں،لوگ مجھے ہی کہتے ہیں۔''خان نے مسکراتے ہوئے پہلے ان سے ہی

مصافحہ کیا، پھر ایس پی اچریکر سے۔

''یہ میرے اسسٹنٹ ہیں۔'' اس نے گھوم کر اپنے تمام ساتھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ''آپ کی ٹرنک کال والی گفتگو سے معاملات کافی لمبے چوڑے معلوم ہوتے ہیں، اس لیے میں انھیں بھی ساتھ لے آیا ہوں۔'' خان نے خود ہی بتایا۔

''اچھا ہی کیا یہ آپ نے۔ حالات واقعی عجیب اور دور تک پھیلے ہوئے ہیں۔'' ڈی آئی جی یہ کہہ کر خان کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے اپنی کار کی طرف بڑھنے لگے۔ پیچھے بالے ایس پی اچریکر سے گفتگو کرتا آ رہا تھا۔

''میں آپ لوگوں کی تعریف تو پہلے ہی سنی تھی، آج دیکھ بھی لیا۔'' ایس پی اچریکر کہہ رہے تھے۔

''میں نے بھی آپ کا بڑا شہرہ سنا تھا۔ بڑی تمنا تھی آپ کو دیکھنے کی۔'' بالے نے ایس پی اچریکر پر پولیس پالش کرتے ہوئے فرضی دلچسپی کا اظہار کیا۔ ایس پی اچریکر کی اس جملے پر خوشی سے باچھیں کھل گئیں۔

''یہ ہیں بابا حرام مونچھ۔ انھوں نے پولیس کی نوکری کرتے ہوئے بھی فقیری لے لی ہے۔ بڑے کام کے آدمی ہیں۔'' بالے نے رؤف کا بھی تعارف کرایا، جس پر رؤف کی بھنویں تن گئیں۔ وہ کچھ بولنے ہی جا رہا تھا کہ بالے پھر بول پڑا۔

''پورا نام عبدالرؤف ہے۔ گئے وقتوں کے تاریخی شاعر ہیں۔ اس لیے غم تخلص فرماتے ہیں۔''

''اچھا...؟'' ایس پی اچریکر نے رؤف کی طرف دلچسپی کا اظہار کیا۔

''ہمارے پولیس ڈپارٹمنٹ میں گاندھی جی کے اکلوتے چیلے واقع ہوئے ہیں۔ پینشن لینے کے بعد بھودان پر یاترا کا ارادہ ہے۔''

بالے رؤف کا ہی تعارف کراتا رہا۔ رؤف غصے سے پیچ و تاب کھانے گا، لیکن جب

وہ کچھ کہنا چاہتا بالے بول پڑتا۔ایس پی اچریکر بالے کی باتوں پر ہنس رہے تھے۔وہ بھی کافی با مذاق مگر سیدھے معلوم ہوتے تھے۔

''بتاؤں گا،بالے صاحب تمہیں۔'' رؤف نے آہستہ سے بالے کو دھمکی دی۔

''یہ کہہ رہے ہیں کہ بعض اور بھی خصوصیات ہیں جو بعد میں بتاؤں گا۔اپنی تعریف خود کبھی نہیں کرتے۔''بالے نے اچریکر کی توجہ یہ کہہ کر پھر اپنی طرف کر لی اور اسرار مسکرا کر رہ گیا۔

ان کا نام ابراہیم ہے۔آدمی شریف ہیں،لیکن پولیس کی نوکری کرنی پڑ رہی ہے۔'' بالے نے ابراہیم کا بھی تعارف کرایا۔

''تو کیا شریف لوگ پولیس کی نوکری نہیں کرتے؟''ایس پی نے چونک کر پوچھا۔

''یعنی کہ...میرا مطلب ہے کہ شریف ہی لوگ تو کرتے ہیں۔''بالے نے اٹکتے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

پولیس کاروں میں انھیں سیدھے پولیس ہیڈ کوارٹرز لے آیا گیا،جہاں ڈی آئی جی نے اپنے ہی آفس میں بیٹھ کر تمام واقعات انھیں تفصیلاً سنائے،لیکن خان نے تمام واقعات سن لینے کے بعد بھی کسی قسم کی قیاس آرائی نہیں کی،صرف اتنا کہہ کر رہ گیا کہ میں خود ان مقامات کو پہلے دیکھنا چاہتا ہوں۔

ڈی آئی جی نے ان مہمان سراغرسانوں کی رہائش کا انتظام اپنے بنگلے سے چند سو گز کے فاصلے پر واقع ایک پرائیوٹ بنگلے میں کرا دیا جو جو عارضی طور پر کرائے پر لے لیا گیا۔یہ بنگلہ ہر قسم کے نمائشی سامان سے آراستہ تھا۔باقی خاص ضرورت کی چیزیں اپنے ساتھ لائے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

''تمہیں رائے سینا جانا پڑے گا۔رؤف،یا ابراہیم کو ساتھ لے لو۔''خان نے اپنی

قیام گاہ میں آ کر کچھ دیر آرام کر لینے کے بعد بالے کو جا کر کہا۔

''بھلا ہم دو آدمی رائے صاحب کی سینا سے کیسے مقابلہ کر سکیں گے۔''

''بکواس نہیں چاہیے۔''

''میں نے پیش ہی نہیں کی۔''

''باہر ایک جیپ کار اور ایک فورڈ کار موجود ہے۔تم جیپ کار لے جا سکتے ہو۔'' خان نے حکم دیا۔

''میں چور بازار میں بیچ دوں تو؟'' بالے بے غیرتی سے بولا۔

''تو پھر جو چور کی سزا ہے۔''

''آپ ہی تو بخش رہے ہیں وہ کار مجھے۔''

''فضول مغز مت چاٹو۔تمہیں وہاں پہنچ کر حالات کا جائزہ لینے کے علاوہ رات کو ٹھہر کر ان غیبی آوازوں کا راز معلوم کرنا ہے۔'' خان نے ہدایت کی۔

''آپ تو اس طرح ارشاد فرما رہے ہیں جیسے یہ مداری کا کھیل ہو۔''

''پولیس میں حرام کی تنخواہ نہیں ملتی ہے۔''

''حلال کرنا قصائیوں کا کام ہے۔''

''تم جاؤ گے یا شامت آئی ہے میرے ہاتھوں۔''

''میں بابا حرام مونچھ کو ساتھ لے جاؤں گا۔''

''دیکھیے پھر وہی۔'' رؤف نے خان کی طرف دیکھ کر احتجاج کیا۔

''میں ڈنکے کی چوٹ ثابت کر چکا ہوں کہ ان کی مونچھیں حرام ہیں۔''

''تم ٹھیکدار ہو کیا حرام حلال کے؟'' خان نے جھنجلا کر اسے ڈانٹا۔

''دنیا کہتی ہے۔''

''تمہاری دنیا کی ایسی تیسی۔'' خان بگڑ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

Akram Allahabadi

''میں جاتا ہوں۔ چلیے جناب رؤف صاحب۔'' وہ دروازے کی طرف کھسکتے ہوئے بولا۔

''صاحب آپ میری ڈیوٹی چاہے دربان کی جگہ لگا دیجیے، مگر ان کے ساتھ مت بھیجیے۔'' رؤف نے خان سے اپیل کی۔

''آ گئے اوقات پر۔ اچھا میں وعدہ کرتا ہوں کہ انگلی بھی نہ اٹھاؤں گا تمہاری طرف، بس اب چلو۔''

وہ خود ہی رؤف کو منانے لگا۔ خان مسکرا دیا اور رؤف برا سا منہ بنائے بالے کے ساتھ باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆☆☆

رات ہو گئی اور اس وقت خان، اسرار اور ابراہیم کی ڈیوٹی ایس پی اچریکر کے بنگلے پر خفیہ طور پر لگا کر خود ڈی آئی کے بنگلے میں ان کے پاس آ بیٹھا۔ آج وہ خود رات کی اس پراسرار آواز کو سننا چاہتا تھا اور ڈی آئی جی نے خود بھی اس کے ساتھ جاگنے کا تہیہ کر لیا تھا۔ وہ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے تک بیٹھے آپس میں ادھر ادھر کی گفتگو کرتے رہے۔ اس کے بعد وہ دونوں اٹھ کر ڈی آئی جی کی خوابگاہ میں آ کر ایک کونے میں بچھائی گئی دو آرام کرسیوں پر بیٹھ گئے اور کمرے کی روشنی بجھا دی گئی۔ پہلے تو وہ خاموشی سے بیٹھے سگریٹ پیتے رہے۔ وہ وقت کا انتظار کرنے لگے جب وہ پراسرار غیبی آواز پھر گونجے۔

ٹھیک ایک بجتے ہی کمرے میں گرگراہٹ کی ایک بہت مدھم سی آواز گونجنے لگی۔ وہ چونک پڑے۔ خان کا ہاتھ جیب میں پڑے ہوئے پستول پر چلا گیا۔

''ہماری امانت واپس لاؤ، ورنہ ہم تمہیں مار ڈالیں گے۔''

وہی بھاری بھدی مگر سرگوشی کرتی ہوئی آواز کمرے میں گونجتی سنائی دی اور پھر

معدوم ہوگئی۔لیکن صرف ایک منٹ بعد ہی وہ پھر سنائی دی اور پھر معدوم ہوگئی۔اس طرح ایک منٹ کے وقفے سے تیسری بار وہ آواز گونج کر خاموش ہوگئی۔خان نے فوراً لائٹ روشن کردی۔ لیکن کمرے میں تیسرا وجود کوئی نہ تھا۔اس نے باہر جھانک کر نیچے ٹہلتے ہوئے ایک سفید پوش خفیہ پولیس پولیس کانسٹیبل سے سرگوشی کے لہجے میں پوچھا،لیکن اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔ دوسرے کمرے میں بھی ایک آدمی موجود رکھا گیا تھا،اس نے بھی کسی ذی روح کی آمد یا کسی خفیف سے کھٹکے کے پیدا ہونے سے بھی انکار کیا۔

بات خان کی بھی سمجھ میں نہ آسکی۔وہ دونوں اب اٹھ کر باہر ڈرائنگ روم میں چلے آئے۔ڈی آئی جی تو بیٹھ کر کچھ سوچنے لگے،لیکن خان ٹیلی فون پر پہنچ گیا۔اس نے سپرنٹنڈنٹ اچریکر کا فون نمبر پہلے ہی نوٹ کرلیا تھا۔ڈائل گھماتے ہی ادھر سے ایس پی اچریکر کی آواز آئی۔

''ذرا اسرار کو فون پر بلا دیجیے۔''خان نے کہا اور دوسرے لمحے ہی اسرار دوسری طرف فون پر موجود تھا۔

''کیا وہ آواز سنائی دی تھی وہاں؟''خان نے پوچھا۔

''جی ہاں۔تین بار اور ایک ایک منٹ کے وقفے سے۔''

''کیا وقت تھا؟''

''ٹھیک ایک بجے۔''

''اچریکر صاحب کے کمرے میں کوئی گھڑی ہے؟''

''جی ہاں۔ایک ٹائم پیس،سنہرے فریم اور ریڈیم لیٹرز کے ڈائل والی۔''

''اسے لے کر یہاں آجاؤ۔''خان نے کہا۔

ڈی آئی جی حیرت سے اس کے الفاظ سن رہے تھے۔گھڑی کا معاملہ اور وقت کا استفسار ان کی سمجھ میں نہ آیا۔اسرار ادھر سے فون منقطع کردیا اور خان اب آرام سے ایک صوفے پر بیٹھ گیا۔

Akram Allahabadi

''بات کیا ہے آخر؟'' ڈی آئی جی نے سوال کیا۔

''کچھ نہیں، ایک معمولی سی بات۔'' خان مسکرایا۔ ''صرف چند منٹ صبر کیجیے۔'' وہ بولا۔ اور دس پندرہ منٹ بعد ہی ایس پی اجے یکر کی کار پر اسرار آ پہنچا۔ اس کے ہاتھ میں سنہرے فریم اور نیلے ڈائل والی ایک ٹائم پیس گھڑی تھی۔

''سامنے ڈی آئی جی صاحب کے کمرے میں بھی ایسی ہی ایک گھڑی رکھی ہے، اسے بھی اٹھا لاؤ۔'' خان نے اسرار کو ہدایت کی اور اسرار اسی وقت وہ گھڑی بھی اٹھا لیا۔ ڈی آئی جی حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

''دیکھیے یہ ہیں وہ روحیں اور ان کی غیبی آواز۔'' خان نے گھڑی کا پچھلا ڈھکن علیحدہ کرتے ہوئے کہا۔

''اس میں آٹو میٹک الارم سسٹم ہے جو تا وقتیکہ کوئی معینہ وقت بدلا نہیں جائے، روز ایک ہی وقت پر حرکت میں آتا ہے۔ اور یہ چھوٹا سا ریکارڈ جسے انجان آدمی مشین کا پرزہ ہی سمجھ سکتا ہے۔'' خان نے ڈی آئی جی کو بتانا شروع کیا۔ ''اگر یہ دونوں گھڑیاں یکساں اور پھر دونوں کی خواب گاہوں میں نہ ہوتیں تو مجھے شاید شبہ نہ ہوتا، لیکن ایک ہی طرح ایک ہی وقت پر اور ایک ہی جیسے وقفوں سے ان آوازوں کا پیدا ہونا سوچنے کیلیے کافی مواد فراہم کرتا تھا۔'' وہ بتاتا گیا اور ڈی آئی جی دل میں اس کی صلاحیت کا اعتراف کرتے ہوئے حیرت سے سنتے رہے۔

''یہ دیکھیے، یہ الارم کا ہک، اس میں اسپرنگ لگا ہے، جس کے ساتھ ہی اس کے حرکت میں آنے پر یہ پتلا سا چھوٹا گول ریکارڈ گھومنے لگتا ہے اور یہ باریک سی سوئی اس ساؤنڈ بکس سے آواز نکالا کرتی ہے جسے آپ الارم کی گھنٹی کا کور سمجھتے ہیں۔ اب دیکھیے میں ایک بجاتا ہوں، لیکن یہ وہ ایک ہے جو دو پورے راؤنڈ یعنی ۲۴ گھنٹوں پر بجتا ہے۔'' یہ کہہ کر خان نے چھوٹی سوئی کو پورے ڈائل کے دو راؤنڈ دے کر ایک کے ہندے پر جیسے ہی لگایا، وہ ریکارڈ

تیزی سے گھومنے لگا اور خفیف سی گھر گھراہٹ کے بعد اس میں سے وہی پراسرار غیبی آواز نکلنے لگی، جسے سن کر ڈی آئی جی خوشی سے اچھل پڑے۔

''بھئی شاباش ہے آپ پر۔'' ان کے منہ سے بے ساختہ نکلا اور خان صرف مسکرا دیا۔

''خیر لیجیے۔ یہ روحوں کا فلسفہ تو حل ہوگیا، لیکن یہ گھڑیاں آپ لوگوں کے پاس آئیں کہاں سے؟''

''ہمیں... یعنی مجھے اور اچریکر صاحب کو نئے الارم سسٹم والی ان گھڑیوں کے دو تحفے اسٹینڈرڈ واچ کی طرف سے تین دن قبل، بلکہ، ہاں، اسی دن جس دن کہ وہ سونے کا تخت رائے سینا سے غائب ہوا تھا، ملے تھے۔ ہم نے تو ان کے بارے میں سوچا تک نہیں کہ یہ اس قسم کی چیزیں بھی ہوسکتی ہیں۔ اتنی حیرت انگیز۔'' وہ ایک گھڑی کو ہاتھ میں تھام کر غور سے دیکھنے لگے۔

''اسٹینڈرڈ واچ کمپنی کا محض نام ہے، یہ گھڑیاں کسی اور نے خاص اسی مقصد سے بھیجی ہوں گی۔'' خان نے کہا۔

''ہاں، اب تو ظاہر ہے۔'' ڈی آئی جی گھڑی کو میز پر رکھتے ہوئے بولے۔

''لیکن یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ اس طرح آخر پولیس کی توجہ خود کیوں اتنی شدت سے اس تخت کی گمشدگی کی طرف منعطف کرانے کی کوشش کی گئی۔ تخت غائب کرنے والوں کو تو قطعی خاموشی سے کام لینا چاہیے تھا۔'' خان سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

''اور پھر انسپکٹر میکی کا خون۔'' ڈی آئی جی بھی اتنا مختصر سا جملہ ادا کر کے سوچ میں پڑ گئے۔

''میری رائے میں تو یہ دو مختلف چیزیں ہیں۔ وہ خون اور یہ آوازیں۔'' خان نے اظہارِ خیال کیا۔

''ہوسکتا ہے، ہوسکتا ہے۔'' ڈی آئی جی گردن ہلائی۔

''بہرحال روحوں کا مسئلہ تو حل ہوا۔ اب آپ لوگ سکون کی نیند سوسکیں گے۔ باقی معاملات کو میں کل سے سنبھال لوں گا۔'' خان یہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

ڈی آئی جی نے اس شب بیداری اور اس عرقاریزی کیلیے اس کو کافی شکریہ ادا کیا، لیکن خان اس کے بدلے صرف ایک زیادہ میٹھی چائے کی پیالی ہی پی کران سے رخصت ہوکر اپنی قیام گاہ کی طرف روانہ ہوگیا۔ ایس پی اچریکر کو اس نے فون کردیا تھا کہ اب کسی قسم کا کوئی خطرہ نہیں، آپ آرام کیجیے، صبح سب معلوم ہوجائے گا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

سپرنٹنڈنٹ خان بھی غائب

''بالے صاحب یہاں ہیں۔'' رائے سینا کے محل کے اندر والے دروازے میں داخل ہوتے ہی خان کو بالے کی آواز سنائی دی۔خان نے گھوم کر دیکھا۔بالے بندر کے ایک چھوٹے سے بچے کو دوڑ کر پکڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔اور ایک بندریا ایک چٹان پر حملہ آورانہ انداز میں بیٹھی خوں کوں کر کے اسے دھمکا رہی تھی۔خان کو دیکھ کر بھی وہ اپنی حرکت سے باز نہ آیا۔

''یہ کیا ہو رہا ہے؟''خان نے اسے ٹوکا۔

''بس ایک منٹ،باس۔مجھے اس بندر کے بچے پر پیار آ گیا ہے۔''یہ کہہ کر اس نے جست کر کے اسے پکڑ ہی لیا۔،شاید بندریا اب برداشت نہ کر سکی۔وہ کھوکیا کر بالے پر جھپٹ پڑی اور خان کا قہقہہ چھوٹ گیا۔

''بالے بھائی، میں کچھ مدد کروں؟'' خان کے پیچھے کھڑے ہوئے ابراہیم نے پیشکش کی۔

''واقعی وفادار لوگ ہی مصیبت میں کام آتے ہیں۔تم ذرا اس بندریا کو سنبھال لو۔'' بالے یہ کہتا ہوا خان کے قریب آ کر رک گیا،لیکن اس سے پہلے ہی رؤف نے آ کر میدان میں پڑی ہوئی ایک لمبی سی خشک لکڑی اٹھالی اور جیسے ہی بندریا کی طرف ہاتھ گھمایا، وہ رؤف کی طرف لوٹ پڑی۔مگر چھڑی شاید اس کی پیٹھ پر زور سے پڑی،اس لیے اسے بھاگنا ہی پڑا۔

''اب کیا مداری بننے کا ارادہ ہے؟''خان نے مسکرا کر بالے سے پوچھا۔

''مجھے بندر کے چھوٹے بچے بہت اچھے لگتے ہیں۔میں اسے پال کر رمبا ڈانس سکھاؤں گا۔''بالے اس بچے کے سر پر ہاتھ پھیر کر بولا، جو اس کے بازو میں دبکا ہوا اپنی گول

Akram Allahabadi

گول معصوم آنکھوں سے اس کی شکل دیکھ رہا تھا۔اس نے اپنی بتیسی نکال کر ایک بار اور بالے کو دھمکی دی، لیکن بالے نے اسے اپنے اوورکوٹ کی جیب میں ڈال کر اوپر سے بٹن لگا لیا اور وہ اندر ہی اچھلتا شور مچاتا رہا۔

اتنی دیر میں فوجی جمعدار بھی جسے پوچھ گچھ کے بعد کل شام ہی چھوڑ دیا گیا تھا ان کے قریب آ گیا۔

''کیا رہا رات کو؟'' خان نے بالے سے پوچھا۔

''میں نے بھی وہ آوازیں محل کے مختلف حصوں میں گونجتی سنی ہیں۔''

''پھر؟''

''ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی ریکارڈ بار بار بج رہا ہے۔'' وہ لاپرواہی سے بولا۔

''تم کچھ عقل مند ہوتے جا رہے ہو، ویسے یہاں کی فضا کیسی تھی؟''

''انتہائی تلخ و خشک، صدفِ نازک کی تو بو نہیں آئی کہیں سے۔'' بالے نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

''میں صرف کام کی باتیں سننے کے موڈ میں ہوں۔''

''غلام نے سچ سچ عرض کی ہے، ظلِ سرکاری۔''

''تم نے وہ تہہ خانہ دیکھا، جہاں سے تخت غائب ہوا ہے؟'' خان نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''ابھی میری موت نہیں آئی، بس آپ کا انتظار تھا۔'' وہ بولا۔

''اور کوئی بات؟'' خان نے اب بھی اس کے اندازِ کلام سے کوئی دلچسپی نہیں لی۔

''رات اس ویرانے میں باجرے کی روٹی کھا کر فدوی کو بدہضمی کی کچھ شکایت ہو گئی تھی۔ درخواست میونسپل ہیلتھ آفیسر کو ارسال کر دی ہے۔'' بالے ڈھٹائی سے بولا۔

ان کی گفتگو اسرار اور ابرہیم دلچسپی سے کھڑے سن رہے تھے اور فوجی جمعدار خاموش

کھڑا تھا۔رؤف اب تک ہاتھ میں چھڑی لیے ایک طرف کھڑا بالے کی شکل دیکھ رہا تھا۔

''میری بات کا جواب دو۔''خان نے بالے کو گھورا۔

''میں نے عرض کیا نا کہ اور کچھ نہیں ہوا سوائے ان دو باتوں کے۔''

''اس بڈھے کو بلاؤ، کیا نام ہے اس کا؟''خان کو نام یاد نہ آیا۔

''پرتگال؟''بالے نے گویا کافی سوچ کر کہا۔

''شنگول۔''فوجی جمعدار بول پڑا۔

''اوہ یس، سینگ گول۔''بالے نے تائید کی۔

''پہلے میں تہہ خانے کو دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''آپ اندر تشریف لے چلیے، میں اسے لے کر آتا ہوں۔''رؤف یہ کہہ کر وہاں سے کھسک گیا اور خان اپنے آدمیوں کے ساتھ محل کے ایک دوسرے بلند ستونوں والے بڑے ہال نما ایوان میں داخل ہو گیا۔

رؤف تھوڑی ہی دیر میں شنگول کو لے آیا۔اس نے تقریباً وہی تمام باتیں خان کو بتائیں جو انسپکٹر میگی کو بتائی تھیں۔پھر تہہ خانہ کھول کر اس نے اس مقام کا معائنہ بھی کرایا۔خان نے بھی اس تخت کے خالی جگہ پر پایوں کے نشانات، جو ایکسپوزپاؤڈر سے کافی ابھر گئے تھے، دیکھے، پھر اس نے ان کے چاروں طرف سیاہ پاؤڈر ڈلوا کر بالے کے چھوٹے پاکٹ کیمرے سے ان کا فوٹو لے لیا اور جیب سے ایک چھوٹا سا ٹیپ نکال کر انھیں اور آس پاس بنے ہوئے سپاٹ تلوؤں والے قدموں کے نشانات کو ناپ کر اپنی نوٹ بک میں لکھ کر وہ اس تہہ خانے کا جائزہ لینے لگا۔وہ دائیں طرف کی دیوار میں اوپر نظر آنے والی باریک باریک جھنجھریوں کو غور سے دیکھ رہا تھا۔

''تمھیں یہ اچھی طرح یقین ہے کہ جب تم نے اس تہہ خانے میں تخت غائب پایا اس سے پہلے اس کا دروازہ باہر سے مضبوطی سے بند تھا؟''خان نے بوڑھے شنگول سے سوال

کیا۔

"جی ہاں، حضور۔" وہ ادب سے بولا۔

"اس کی چابی صرف تمہارے پاس رہتی ہے یا..." خان نے آدھا جملہ ادا کیا۔

"ایک میرے پاس اور ایک سپرنٹنڈنٹ کے پاس۔" اس نے بتایا۔ اس کا مطلب محکمۂ آثارِ قدیمہ کے سپرنٹنڈنٹ سے تھا جس کے بارے میں سپرنٹنڈنٹ اچ یکر کی پورٹ میں بھی وہ پڑھ چکا تھا۔

"لیکن اگر وہ چابی کسی طرح حاصل کر کے کسی نے اس تخت کو یہاں سے نکالا بھی ہوگا تو وہ باہر کیسے لے گیا؟" خان سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔

"میں بتاؤں؟" بالے نے لقمہ دیا۔ خان نے سوالیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ "جیب میں رکھ کر۔" وہ بچوں جیسی معصوم صورت بنا کر بولا۔

"شامت آ رہی ہے تمہاری۔"

"آپ نے پوچھا، میں نے بتا دیا ورنہ اس ناچیز کی ۴۵ فیصدی ناقص رائے میں یہ بھی ممکن ہے کہ ایسے چور تہہ خانے کا کوئی چور راستہ بھی ہو۔" بالے کا لہجہ اس بار سنجیدہ تھا۔ اس کے اس جملے پر خان کسی خیال سے چونک پڑا۔

"کچھ عقل تو استعمال کی ہے تم نے، بہر حال میں یہاں چبوترے پر بیٹھتا ہوں، تم وہ چور راستہ ڈھونڈ ڈالو۔" خان نے تھکے ہوئے انداز میں ایک چبوترے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"خوب، لا دو ولداؤ اور ڈنڈے مارنے والا بھی ساتھ دو۔"

"یہ لوگ بھی تمہارا ساتھ دیں گے۔" خان نے رؤف، اسرار، ابراہیم اور شنگول کی طرف اشارہ کیا۔

"کھل جا سم سم۔" بالے نے چھت کی طرف دیکھ کر نعرہ مارا اور پھر دیواریں اور دروازے کھولنا شروع کر دیے۔

''بھائی حرام مونچھ، تم بھی سونگھونا۔'' اس نے رؤف کو بھی چھیڑ دیا۔

''گڑ دریافت کرنے کا کام تمہارا ہی ورثہ ہے، سارجنٹ۔'' رؤف جواب دینے کے بعد اس کا ہاتھ بٹانے کیلیے قریب آ گیا۔ شمع دانوں اور تارچوں کی روشنی میں بھی یہ نیم تاریک تہہ خانہ اپنے تاریخی آثار کے مطابق کافی بھیانک نوعیت رکھتا تھا، لیکن مشغول تو جیسے اسے اپنا ہی کمرہ سمجھ رہا ہو۔ وہ شمع دان ساتھ لیے اس کا ایک ایک کونہ بالے کو دکھا رہا تھا۔ اسرار اور ابراہیم فرش کو بغور دیکھ رہے تھے۔ وہ فرش میں لگے ہوئے پتھر کے چوکور ٹکڑوں کے جوڑ تک کو کریدنے سے پرہیز نہ کرتے۔ دیواروں میں بھی پتھر کے بڑے بڑے چوکور ٹکڑوں کے جوڑ تھے۔

''میرا خیال ہے کہ اس مقام کو ایٹم بم سے اڑا دیا جائے تو زمین کے سات نچلے طبق تہہ خانے سمیت ہمیں نظر...'' بالے خان کی طرف پلٹ کر کہتے کہتے رک گیا۔ وہ اس چبوترے کو خالی دیکھ کر حیران رہ گیا جس پر ابھی کچھ دیر پہلے خان تھک کر بیٹھا تھا۔ پھر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا، لیکن خان تو وہاں نہ تھا۔

''یعنی کہ بس غائب؟'' وہ یہ کہہ کر سوالیہ نظروں سے رؤف کو دیکھنے لگا۔

''شاید باہر چلے گئے ہونگے۔'' رؤف نے لاپرواہی سے کہا۔

''نہیں، صاحب، دروازہ تو اندر سے بند ہے، ابھی تو کوئی باہر نہیں گیا۔'' کچھ دور سے ابراہیم کی آواز سنائی دی۔

''کیا مطلب؟'' بالے چونکا۔ اور پھر ایک عجیب سے خیال سے اس کا رواں رواں لرز اٹھا۔

''انسپکٹر میگی بھی غائب ہو گیا تھا۔'' اس کا دماغ دفعتاً سوچنے لگا۔

''ابراہیم، تم اور اسرار بھائی خاں صاحب کو باہر تو دیکھو، ابھی ابھی تو تھے یہاں وہ، مگر یہ... مگر یہ کیسے ہو سکتا ہے۔'' وہ تشویش زدہ لہجے میں بڑبڑانے لگا۔ اتنی دیر میں ابراہیم اور

Akram Allahabadi

اسرار دونوں تہہ خانے کا دروازہ کھول کر باہر نکل چکے تھے۔

''نہیں صاحب، دروازہ تو اندر سے بند ہی تھا۔''شنگول نے ان کی حیرت میں اضافہ کیا۔اور پھر اچانک انسپکٹر میگی کا انجام یاد آتے ہی ان کے چہروں پر خوف اور پژمردگی کے آثار نمایاں ہو گئے۔

ایک بھگدڑ سی مچ گئی۔رائے سینا کے اس قدیم تاریخی محل کا کونہ کونہ پولیس چھاننے لگی،لیکن خان کا تو کہیں پتہ نہ تھا۔چاروں طرف ایک عجیب سراسیمگی،ایک نامعلوم سی دہشت پھیل گئی۔کچھ دیر کی تلاشی کے بعد ہی یہ بات چھپائی نہ جا سکی کہ سپرنٹنڈنٹ خان پراسرار طور پر لاپتہ ہو گیا ہے اور اس کی گمشدگی پر کسی قسم کی قیاس آرائی کرنے سے پہلے لوگوں کو انسپکٹر میگی کی پراسرار موت یاد آئی۔ایک مقامی سراغرساں افسر کی گمشدگی کا ردِعمل پولیس اور پبلک پر بہت برا اثر پڑا۔ہر طرف ایک نامعلوم دہشت مسلط ہو گئی اور بعض پولیس آفیسر تو اس قدر ڈرے کہ رائے سینا کے محل کی طرف رخ کرنے کی ہی جرأت نہ کر سکے۔

مگر سب کے سمجھانے کے باوجود بالے،اسرار اور ابراہیم اور رؤف نے رائے سینا کا محل نہ چھوڑا۔وہ سپرنٹنڈنٹ خان کا سراغ لگائے بغیر وہاں سے ٹلنے کو تیار نہ تھے،خواہ اس طرح ان کی اپنی جانیں بھی سولی پر ہی نہ ہوں۔بالے دوسروں کے برخلاف اب تک مطمئن نظر آ رہا تھا۔اگرچہ وہ خود بھی سپرنٹنڈنٹ خان کی اس پراسرار گمشدگی کے بارے میں اب تک کوئی ٹھوس خیال قائم نہ کر سکا تھا،لیکن اسے کم از کم یقین یہ ضرور تھا کہ خان وہ قیمتی نہیں جسے اس تاریخی محل کے بھوت ہضم کر سکیں۔اس کی توجہ لے دے کر اس تہہ خانے پر مرکوز تھی۔

تمام رات انھوں نے رائے سینا کے محل اور اس کے باہر گنترا کے کھنڈرات میں بھٹکتے گزاری،لیکن ان کھنڈروں میں سوائے جنگلی گیدڑوں کے اور کوئی نہ ملا۔البتہ کبھی کبھی دور بھیڑیوں کی آوازیں بھی سنائی دے جاتیں،جو ویران کھنڈروں پر پھیلی ہوئی اس تاریک رات میں سناٹے میں خطرے کا الارم ہوتیں۔

Akram Allahabadi

صبح ہونے سے چند گھنٹے پہلے ہی وہ رائے سینا کے محل میں لوٹ آئے۔محافظ ان کے اندازے کے مطابق محل کے اس حصے میں اونگھ گئے تھے،لیکن انھیں جگائے بغیر داخلہ ناممکن تھا،اس لیے انھیں فصیل پر چڑھ کر اندر کودنا پڑا۔وہ خاموشی سے غلام گردش کے ان کوارٹرز میں آ کر لیٹ گئے جن میں آج قیام کیلیے خود بالے نے ہی انتظام کرایا تھا۔نیند سے اس وقت ان کی آنکھیں بوجھل ہو رہی تھیں،اس لیے رؤف ، اسرار اور ابراہیم تو سو گئے،لیکن بالے کی آنکھوں سے جیسے نیند ہی اڑ گئی تھی۔

خلافِ توقع آج وہ روحوں کی آوازیں بھی نہیں سنائی دی تھیں،جن پر بالے کے کان لگے تھے۔تقریباً رات کے ساڑھے چار بجے جب ہر طرف گہرا خوفناک سکوت مسلط ہو چکا تھا،ایک مدھم سی آواز نے بالے کو چونکا دیا۔کوئی بہت دبے قدموں باہر کے برآمدہ نما حصے سے گزر رہا تھا۔بالے نے فرش سے کان لگا دیے۔کسی کے بھاری قدموں کی ہلکی دھمک اسے اور صاف سنائی دینے لگی،لیکن اس قدر موقع نہ تھا کہ وہ رؤف یا ابراہیم کو جگاتا۔وہ آہستہ سے اپنی جگہ سے اٹھا اور دیوار کے سہارے چلتا ہوا اور دو دروازہ کھول کر اس برآمدے میں نکل آیا۔

وہ یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ ایک انسانی سایہ کچھ دور برآمدے سے آگے جا کر محل کی ڈیوڑھی خاص کی طرف گھوم رہا تھا۔موڑ پر کہیں وہ غائب نہ ہو جائے،اس خیال سے بالے نے پنجوں کے بل دوڑنا شروع کر دیا۔وہ سایہ دیوانِ خاص میں داخل ہو چکا تھا۔بالے چند قدم کے فاصلے پر دبے پاؤں اس کا تعاقب کرتا رہا۔اور اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اس نے دیکھا وہ سایہ اب اس تہہ خانے میں داخل ہو رہا ہے۔کئی بار اسے خیال آیا کہ اچانک ٹارچ کی روشنی پھینک کر اسے دیکھ لے اور ساتھ ہی اس سے باز پرس بھی کرے،لیکن پھر اس کی آخری منزل تک اس کا تعاقب جاری رکھنے کا فیصلہ کر کے خاموشی سے چلتا رہا۔تہہ خانے میں داخل ہو کر وہ سایہ اسی چبوترے کے پاس پہنچ کر رک گیا جہاں سے خان غائب ہوا تھا۔بالے کے کان

کھڑے ہو گئے ۔احتیاطاً اس نے جیب سے ریوالور نکال لیا اور تہہ خانے کی دیوار سے چپک کر سانس روکے کھڑا رہا۔اس نے دیکھا اس سائے نے ایک نارچ روشن کی اور اس کی روشنی میں اس چبوترے کے نچلے حصے کو ٹٹولنے لگا۔اس میں نیچے کی طرف پتھریلی ترچھی کیلیں نکلی ہوئی تھیں ۔پھر اس نے اس میں سے ایک کیل پر پاؤں رکھ کر اسے اس طرح دبایا جیسے موٹر سائیکل کا اسٹارٹر دبایا جاتا ہے ۔اس کے ساتھ ہی ایک گھر میں داخل ہو کر نیچے کی طرف پھسل گیا، لیکن اس سے پہلے کہ بالے اس کے نزدیک پہنچے، چبوترے کا فرش پھر اپنی جگہ پر آ گیا ۔بالے نے بھی نارچ کی روشنی میں ان ترچھی کیلوں کو دبا دبا کر دیکھنا شروع کر دیا ۔بالآخر وہ کیل ہی دب گئی جس سے چبوترے کا فرش ترچھا اندر دھنس گیا اور بالے بھی اس میں اس کے خلاء میں داخل ہو کر نیچے کی طرف پھسل گیا ۔اسے ایسا محسوس ہوا کہ وہ ریت کے کسی ڈھیر پر کودا ہے ۔اندر اس بلا کی تاریکی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ نہ سجھائی دیتا تھا ۔نارچ کی محدود روشنی میں اس نے دیکھا یہ کوئی زمین دوز راستہ تھا جس میں سیلن کی بو اس بری طرح پھیلی ہوئی تھی کہ بالے کو ناک پر رومال رکھنا پڑا۔ راستے میں جگہ جگہ پتھروں کے ٹکڑے پڑے ہوئے تھے۔یہ زمین دوز تاریک راستہ تقریباً چھ فٹ چوڑا اور سات آٹھ فٹ اونچا ہو گا جس کی وجہ سے آدمی سیدھا کھڑا ہو کر اس میں چل سکتا تھا۔ بہت دور آگے بالے کو ہلکی سی روشنی نظر آئی جس کے انعکاس میں وہ سایہ آہستہ آہستہ چلا جا رہا تھا۔روشنی کا پھیلاؤ شاید آگے چلنے والے پراسرار آدمی کی نارچ سے تھا ۔بالے نے اپنی نارچ بجھا دی اور پھر اس کا تعاقب کرنے لگا۔

اس سیلن میں اسے سردی محسوس ہو رہی تھی ۔اندازے کے مطابق وہ تقریباً پندرہ بیس منٹ تک اس زمین دوز راستے میں چلتے رہے پھر ایک جگہ یہ راستہ دائیں طرف گھوم گیا۔ یہاں بالے کو سامنے کی طرف سے آتی ہوئی ہلکی سی ہوا محسوس ہوئی اور اس نے رومال ناک پر سے ہٹا لیا۔پھر رفتہ رفتہ اسے اس زمین دوز راستے کا دہانہ نظر آنے لگا، جس میں سے شاید صبح کی روشنی چھن چھن کر آ رہی تھی۔

اس نے دیکھا وہ سایہ اس راستے سے باہر نکل گیا۔ بالے کے پہنچنے تک وہ دہانہ کھلا رہا، لیکن قریب پہنچنے پر اس نے دیکھا کہ اس کا کوئی باقاعدہ دروازہ نہیں تھا، بلکہ وہ چڑیل کی درختوں اور کنکروندوں کی خاردار جھاڑیوں سے ڈھکا ہوا ایک غار معلوم ہوتا تھا۔ البتہ اس کے باہر آنے پر وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ اس سائے کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اس نے دیکھا دہانے پر جھکے ہوئے درختوں کی کچھ شاخیں بھی ٹوٹی ہوئی تھیں۔ پھر وہ اس ڈھلوان سے نیچے کے پلیٹونما حصے کی طرف اتر آیا۔ یہاں وہ ایک جگہ شبنم کی نمی، کسی گھوڑے کے سموں کے نشانات دیکھ کر چونک پڑا۔ نشانات تازہ معلوم ہوتے تھے۔ یقیناً اس زمین دوز راستے سے باہر آنے والا وہ پراسرار سایہ کسی گھوڑے پر بیٹھ کر فرار ہو گیا تھا، جس کا انتظام غالباً پہلے سے کیا گیا ہوگا۔ بالے اور آگے بڑھ کر اس ممکنہ راستے کا اندازہ لگانے لگا جس سے وہ نامعلوم شخص گیا ہوگا۔

اچانک کوئی چیز پیچھے سے اس کے کندھے پر کودی، اور وہ اچھل پڑا۔ مگر پلٹ کر دیکھتے ہی اس کی ہنسی چھوٹ گئی۔ یہ بندر کا وہی بچہ تھا جسے دو دن تک خوب کھلا پلا کر بالے نے محل میں ہی چھوڑ دیا تھا۔ وہ اس کے کندھے سے پھر اچھل کر زمین پر آتے ہوئے اسے گول گول آنکھوں سے گھور رہا تھا۔ بالے نے پلٹ کر دیکھا، محل کی پشت والی فصیل زیادہ سے زیادہ ایک فرلانگ پیچھے نظر آ رہی تھی۔

''ابے واہ، تو آپ یہاں بھی آ پہنچے۔'' اس نے اسے پکڑنے کو ہاتھ بڑھایا، لیکن بندر کے بچے نے منہ بنا کے دانت نکال دیے۔

''واہ بیٹے، ہمارے بندر ہم ہی سے میاؤں۔ اچھا چلو جلدی سے۔'' یہ کہہ کر اس نے اسے اٹھا کر اپنی جیب میں رکھ لیا کہ اس کا سر باہر ہی رہا۔ پھر وہ ایک درخت پر چڑھ گیا اور وہاں سے دور دور تک نظر دوڑانے لگا۔ شاید بندر کا بچہ اس کا بھی استاد تھا۔ وہ اس کی جیب سے نکل کر ایک شاخ پر جا بیٹھا اور اپنی گول گول آنکھوں سے اس کی صورت دیکھنے لگا۔ بالے کی نگاہیں اچانک ایک چٹان پر جا کر رک گئیں۔ وہ فوراً درخت سے نیچے اتر آیا۔ وہ چٹان ڈھلوان کے

سامنے ہی زمین کے کوہان کی طرح ابھری ہوئی تھی۔ڈھلوان سے اترتے وقت بالے نے اس کی طرف دھیان بھی نہ دیا۔وہ اس کے قریب پہنچ گیا۔اس نے دیکھا پتھر پر مدھم سی سفید لکیروں سے جو شاید پتھر سے ہی بنی ہونگی ایک آڑی ٹیڑھی لکیر بنی ہوئی تھی جس کے ایک سرے پر ایک گول سا نشان تھا جس کے اندر 'م' لکھا تھا۔نیچے لکھا تھا۔"چلتے آؤ۔"اسی کے نیچے انگریزی میں K لکھا ہوا تھا۔لکیر کے اوپر W کا نشان بنا تھا۔اس کے چہرے پر مسرت اور تازگی کے آثار نمایاں تھے۔

اس نے یہ نقشہ بعینہ اپنے نوٹ بک میں اتار لیا۔اس کے بعد اس نے جیب سے رومال نکال کر ان نشانات کو مٹا دیا۔

بندر کا بچہ پھر اس کے قریب آ پہنچا۔

"کم آن بوائے۔"یہ کہہ کر بالے نے اسے اس بار اپنے کندھے پر بٹھالیا اور وہ بھاگا بھی نہیں۔شاید وہ خود بھی یہی چاہتا ہو۔بالے نے اب اطراف کا جائزہ لینا شروع کیا۔ پھر کچھ سوچ کر اس نے جیب سے ایک چھوٹی سی گھڑی نکالی جس کی پشت پر قطب نما لگا ہوا تھا۔ اس میں مغرب کی سمت دیکھ کر وہ اس ناہموار راستے کو عبور کرتا ہوا چلنے لگا۔اس کا خیال صحیح نکلا۔ گھنی گھنی جھاڑیوں کے اس پار ایک شکستہ مقبرہ تھا جو ایک گول پتھریلے کمرے کی طرح سر پر ایک شکستہ گنبد لیے نہ جانے کتنے سالوں سے اسی جگہ خاموش اور ویران کھڑا تھا۔

"(م) اور (دائرہ)۔"بالے نوٹ بک دیکھ کر بڑبڑایا۔پھر اس نے اس کے آس پاس دیکھا۔اس کے داہنی سمت سے ایک پگڈنڈی لہراتی ہوئی دور جھاڑیوں دار میدانوں کی طرف دوڑتی گئی تھی۔وہ بغیر کچھ سوچے سمجھے اس پر چلنے لگا۔بندر کا بچہ اب بھی اس کے کندھے پر تھا۔

"میں نے سنا ہے پہلے آپ ہمارے ہم قوم تھے؟"بالے چلتے چلتے اس سے باتیں کرنے لگا۔

"خوں...اپ۔" بندر کے بچے نے اسے ڈانٹ سنائی۔

"اوہ، شاید یہ آپ کی کسرِ شان ہے، معاف فرمایئے گا۔"

"خیں۔"

"ابے واہ، یہ کندھا تمہارے باپ کا اسٹول ہے کیا؟ چلو اترو۔" بالے نے اسے نیچے اتار دیا۔ بندر کا بچہ لپک کر پاس کے ایک چھوٹے سے درخت کی شاخ پر جا بیٹھا۔ شاید وہ برا مان گیا تھا۔ بالے کو اس کی صورت دیکھ کر پھر ہنسی آ گئی۔ وہ اسے چمکارنے لگا۔

"آجاؤ، برخوردار۔ میری ہونے والی مسز لاولد ہوئی تو میں تمہیں متبنیٰ کر لونگا۔ پوچ ...آجاؤ...شاباش۔" مگر بندر کا بچہ اور اوپر والی شاخ پر چلا گیا۔

"آجاؤنا، میری جان، بندر...چچ...آؤ آؤ۔ میں اپنی آدھی جاگیر تمہارے نام لکھ دونگا، ڈارون کی اولاد۔" یہ کہتے ہوئے اس نے اچانک اچھل کر اسے تھام ہی لیا اور بندر کا بچہ چیختا ہوا اس کی گرفت میں آ گیا۔

"تم نہیں جانتے، جانِ من، مابدولت کے ٹارزن بننے میں صرف تھوڑی سی کسر رہ گئی تھی، وہ تم نے پوری کر دی ہے۔ میں تمہارا نام...تمہارا نام چپی رکھ دوں گا۔ چپ... پی۔ ٹرکوز کی بیٹی یا بیٹا جو بھی ہو۔" یہ کہتے ہوئے اس نے جیب سے ریشم کی ایک ڈوری نکالی اور بندر کے بچے کے گلے میں باندھ کر اس کا دوسرا سرا اپنے ہاتھ کی کلائی میں باندھ لیا۔ جیب سے اس نے ایک چاکلیٹ نکال کر بندر کو تھما دیا اور وہ اسے ایک ہی نوالے میں ہڑپ کر گیا۔ چاکلیٹ کا مزا اسے کل ہی مل چکا تھا۔ بالے حلق تر کرنے کیلیے چاکلیٹ کا پیکٹ اکثر جیب میں ڈالے رہتا۔ یہ اس کی عادت تھی۔

پگڈنڈی کے دونوں سمت میدانوں کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ وہ غور سے راستے اور اس کے اطراف کا جائزہ لیتا چلا جا رہا تھا، لیکن خدا جانے منزل ابھی اور کتنی دور تھی۔ اس کا موڈ بدل چکا تھا، کیونکہ چٹان پر لکھا ہوا وہ پراسرار پیغام سوائے خان کے اور کسی کا نہ ہو سکتا تھا، جو اس بات

Akram Allahabadi

کا ثبوت تھا کہ خان زندہ اور سرگرم کار ہے۔

چوتھے ٹیلے پر پہنچ کر یہ پگڈنڈی ایک نالے میں ختم ہو گئی جو مدت سے خشک پڑا تھا اور جس کے اس پار کچھ ہرے ہرے کھیت اور ان کے درمیان ایک سفید عمارت نظر آ رہی تھی، جس کے ارد گرد فاصلے پر بہت سے کچے مکانات تھے۔ چوتھے موڑ کے چٹان والا نشان بھی ختم ہوا جاتا تھا۔ بالے نوٹ بک کو جیب میں رکھ کر سوچ میں پڑ گیا، مگر اسی وقت بندر کا بچہ اس کے کندھے سے لٹک کر چیخنے لگا۔ وہ اسے چمکارتا ہوا خشک نالے میں اتر گیا۔

اس آبادی تک پہنچنے میں اس نے اپنا حلیہ تبدیل کر لیا۔ ایک موٹی مونچھ اسپرٹ گم سے منہ پر لگائی اور آنکھوں پر سیاہ شیشوں والی عینک چڑھائی۔ اپنا کوٹ بھی جو اندر اور اوپر سے دو مختلف رنگ رکھتا تھا اور جسے الٹنے پر وہ دوسرا کوٹ معلوم ہونے لگتا، بالے نے الٹ کر پہن لیا۔

آبادی میں داخل ہوتے وقت اسے ایک عجیب سا سناٹا محسوس ہوا۔ شاید یہاں رہنے والے کسان باشندے اپنے کھیتوں وغیرہ پر گئے ہوں۔ اتفاق سے اسے ایک جھونپڑے کے سامنے ہی ایک بڑھیا مل گئی، جو دھوپ میں کچھ پھٹک رہی تھی۔ وہ اس نئے آدمی کو غور سے دیکھنے لگی۔ اتنے میں اسی جھونپڑے سے ایک آدمی اور نکل آیا۔ وہ بالے کو ایک نظر غور سے دیکھتے ہی شور مچانے لگا۔ بالے کی کچھ سمجھ میں نہ آیا، لیکن اس کے دیکھتے ہی دیکھتے ان سوئے نظر آنے والے گھروں سے بہت سے آدمی اور عورتیں نکل آئیں۔ ان سب نے بالے کو گھیر لیا۔ بندر کا بچہ بھی گھبرا کر اچھلنے کودنے لگا۔

''آخر معاملہ کیا ہے؟'' بالے نے ایک موٹے سے آدمی سے، جو سامنے کھڑا تھا، پوچھا۔

''معاملہ، ہونہہ، تم نے بر جو کو مارا ہے۔''

''بجو کو... میں نے تو نہیں مارا، لیکن اگر مارا بھی ہوتا تو کیا تم لوگ بجو کو دودھ پلاتے ہو؟''

''ہم جانور کا نہیں، آدمی کا ذکر کر رہے ہیں ۔بد جو اس بوڑھیا کا بیٹا تھا جسے تم نے مارا ہے۔'' وہی آدمی جس نے چور مچایا تھا صاف شہری لہجے میں بولا۔بالے کا ماتھا فوراً ٹھنک اٹھا۔ یقیناً اس قدر صاف زبان بولنے والا مقامی دیہاتی نہیں ہو سکتا تھا۔

''میں نے خود دیکھا تھا، اسی نے اسے اپنی چھوٹی سی بندوق سے مارا تھا۔'' وہ آدمی سب کو مخاطب کر کے زور سے بولا۔جس پر لوگ مشتعل ہو کر بالے پر ٹوٹ پڑے اور بالے عجیب مخمصے میں پڑ گیا۔لوگوں کا یہ اشتعال جان لیوا بھی ہو سکتا تھا۔وہ مجمع کو ایک بار پوری قوت سے پیچھے دھکیل کر باہر نکلا۔اس وقت غیر متوقع طور پر بندر کے اس بچے نے بھی بڑی وفاداری کا اظہار کیا۔اس نے کئی آدمیوں کو کاٹ کھایا اور وہ گھبرا کر پیچھے ہٹ گئے۔

''شاباش، ڈارلنگ چپی۔'' اس نے بندر کے بچے کو چمکارا اور اس کا دوسرا ہاتھ جیب میں چلا گیا۔شاید وہ حفاظت خود اختیاری کیلیے پستول نکالنے جا رہا تھا کہ اسی وقت بھیڑ چھٹنے لگی۔بالے نے دیکھا ایک پولیس مین اسی طرف چلا آ رہا تھا۔وہ نوجوان اور صحت مند تھا۔ لوگ دونوں طرف ہٹ گئے۔

''کیا بات ہے؟'' اس نے آتے ہی لوگوں سے پوچھا۔

''یہی وہ آدمی ہے جس نے اس بڑھیا کے بیٹے بد جو کی جان لی ہے۔'' پہلا آدمی بالے کی طرف اشارہ کر کے بتانے لگا۔

''او، کیوں بیٹا؟ چلو ادھر۔'' یہ کہتے ہوئے بالے کے قریب آ گیا اور اس نے آنکھ ماردی۔بالے اسے قطعی نہ پہچان سکا، لیکن آنکھ مارنے کا مطلب سمجھ کر وہ مصلحتاً خاموش ہو رہا۔

''چلو میرے ساتھ۔'' اس نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔''اور تم بھی، گواہی دینے۔'' اس نے اس آدمی کو بھی اشارہ کیا۔

''مم...میں...یعنی کہ...''

''ہاں، تم نے دیکھا تھا اسے۔بس گواہی دے کر چلے آنا۔'' کانسٹیبل نے نرم لہجے

میں اس سے کہا۔ پھر وہ مجمع کی طرف مخاطب ہو کر گرجا۔ ''تم لوگ اپنے اپنے گھروں کو جاؤ، قاتل کو سزا مل جائے گی۔''

دیہاتی اس کی ایک ڈانٹ میں ہی منتشر ہو گئے اور وہ ان دونوں کو ساتھ لیے سفید عمارت کی پشت پر بنے ہوئے باغ کی فصیل تک آ گیا۔ یہاں بالکل سناٹا تھا۔ اس آدمی سے باتیں کرتے چلتے چلتے اچانک اس کانسٹیبل نے جیب سے ہتھکڑی نکال کر اس کی کلائی میں ڈال دی۔

''یہ کیا؟'' وہ حیرت سے بولا۔ ''میں تو گواہی...''

''وہی جس کے تم مستحق ہو۔'' کانسٹیبل نے بالے کا ہاتھ چھوڑ کر کہا۔ اور پھر اس آدمی کی جیبیں ٹٹولنی شروع کر دیں۔ اس کی اندرونی جیب سے ایک ریوالور بھی برآمد ہوا۔

''یہ شاید بچوں کو ڈرانے کا کھلونہ ہوگا۔'' کانسٹیبل کے ہونٹوں پر خوفناک مسکراہٹ ابھری۔ اس آدمی کا منہ فق ہو گیا تھا۔

''بالے۔'' کانسٹیبل بڑی بے تکلفی سے بالے سے مخاطب ہوا۔ جس پر بالے حیرت سے اچھل پڑا۔

''تم اس سفید عمارت تک پہنچو، لیکن اس جاگیردار نے ایک درجن خونخوار کتے پال رکھے ہیں۔ احتیاط سے قدم رکھنا۔ خاں صاحب وہیں تمہارا انتظار کر رہے ہیں، لیکن انھیں پہچاننا پڑے گا۔'' وہ بالے سے آہستہ سے بولا۔

''مگر آپ...؟ آپ؟'' بالے نے پوچھنا چاہا۔

''یہ بتانے کا ابھی وقت نہیں ہے، میں اس کمبخت کو سنبھالتا ہوں، تم جاؤ۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولا۔ اور بالے کی ہمت نہ ہوئی کہ کچھ اور پوچھے۔ وہ پلٹ کر سفید عمارت کی طرف چل پڑا، لیکن چند قدم چلنے کے بعد ہی جب اس نے پیچھے کی طرف پلٹ کر دیکھا تو وہ کانسٹیبل اور وہ آدمی دونوں غائب ہو چکے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

میڈم مرچی مصالحہ

سفید عمارت کی پشت پر احاطے کی دیوار کی آڑ میں چھپ کر اس نے کسی کتے کی بھاری آواز میں بھونکنا شروع کر دیا۔ اسے ایسے موقعوں کیلیے بہت سے جانوروں کی بولیاں بول لینے کا کمال حاصل تھا۔ وہ پراسرار کانسٹیبل اس حقیقت سے اسے پہلے ہی آگاہ کر چکا تھا کہ سفید عمارت کے مالک جاگیردار کے پاس ایک درجن خونخوار کتے ہیں، لیکن بالے کی اس کتے جیسی آواز کی نقل میں بھی سپرنٹنڈنٹ خان کیلیے ایک اشارہ موجود تھا، جسے صرف وہ اور خان سمجھ سکتے تھے۔ بہرحال بالے کی یہ حرکت کامیاب رہی۔ بندر کے بچے کو اس نے اس وقت بھی ساتھ رکھا تھا۔ سفید عمارت کے پالتو کتے جن میں بُل، ٹیریئر گرے ہاؤنڈ اور بلڈاگ شامل تھے، اس کے بھونکنے کی آواز سن کر عمارت کی پچھلی سمت دوڑے اور بالے اتنی دیر میں احاطے کی دیوار پھاند گیا۔ اس کا اندازہ صحیح نکلا۔ خان نے آواز سن لی تھی۔ بالے کی نظر اوپر کسی طرف اٹھ گئی۔ کوئی اوپر کھلی کھڑکی سے جھانک رہا تھا۔ ایک ادھیڑ عمر کا سیاہ فام آدمی۔

''شش... شش... اوپر... اوپر۔''

مگر بالے سے پہچان نہ سکا۔ وہ اس کے ان الفاظ پر سوچ میں پڑ گیا۔

''بے الو۔'' اوپر سے سیاہ فام آدمی نے دبی زبان سے ڈانٹا۔

یہ مخصوص خطاب بالے کو سپرنٹنڈنٹ خاں سے ملا تھا۔ آواز دینے والا یقیناً وہی ہو سکتا تھا۔

بالے پچھلا پائپ پکڑ کر اوپر چڑھنے لگا، لیکن بندر کا بچہ اس سے پہلے ہی اوپر پہنچ گیا۔ کتے پاگلوں کی طرح احاطے کے باہر دوڑتے پھر رہے تھے۔

''یہ کیا مصیبت مول لے رکھی ہے تم نے؟'' اس آدمی نے بندر کے بچے کی طرف

Akram Allahabadi

اشارہ کیا۔

"اسے میں ملٹری ٹریننگ دے رہا ہوں۔ سیکنڈ لیفٹننٹ بنوانے کا ارادہ ہے،

الحمدللہ۔"

"یہ بکواس کو موقع نہیں ہے۔" یہ کہتے ہوئے سیاہ فام آدمی کے بھیس میں موجود سپرنٹنڈنٹ خاں نے کھڑکی اندر سے بھیڑ دی۔

"کاش آپ نے چچا ڈارون کے نقطۂ نظر سے انسان کی ابتدائے آفرینش پر غور کیا ہوتا۔"

"میں تمہارا بھیجا درست کردوں گا، اگر کوئی بیوقوفی کی یہاں۔"

"یہ آپ کسی بیوقوف سے فرمایے۔"

"چپ چاپ میرے پیچھے چلے آؤ، یہاں ٹھہر کر ہم آزادی سے گفتگو نہیں کر سکتے۔"
خان یہ کہہ کر اس کمرے سے نکلا۔ بالے کے بھی باہر آنے کے بعد اس نے کمرے کا دروازہ بند کرلیا۔ پھر وہ ایک راہداری میں گزرتے ہوئے دوسرے سرے پر شروع ہونے والے زینے کی سیڑھیاں اترنے لگے۔

"کتوں کو اگر تمہاری موجودگی کا احساس ہوگیا تو بھونکیں گے ضرور۔" خان نے سیڑھیاں اترتے ہوئے کہا۔

"تو آپ ان سے میرا تعارف کرادیجیے، پھر نہیں چھیڑیں گے مجھے۔"

"شاید تمہیں میرے ساتھ دیکھ کر کچھ نہ بولیں، جس طرح مجھے جاگیردار کے ساتھ دیکھ کر وہ مجھ سے مانوس ہوگئے ہیں۔" یہ کہتے ہوئے خان زینے سے اتر کر دائیں طرف گھوم گیا۔ ادھر ایک دوسرے کمرے کا دروازہ تھا۔ اس حصے میں داخل ہوکر انھوں نے دو دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

"اب بتایے کہ آپ یہاں کیسے پہنچے؟" بالے نے بیٹھتے ہی سوال کیا۔

"تہہ خانے کے اسی چبوترے سے جس کی کل پر اتفاقاً میرا پیر پڑ گیا تھا۔ پھر اسی زمین دوز راستے سے باہر نکل کر میں نے یہ اندازہ لگا لیا کہ تخت کو اسی راستے سے غائب کیا گیا ہے اور انسپکٹر میکی نے بھی یقیناً یہ راستہ دریافت کر لیا ہوگا، ورنہ اس کی لاش اس زمین دوز راستے کے دہانے کے باہر درخت سے لٹکتی نہ ملتی۔

"لیکن آپ یہاں کیسے پہنچے؟"

"وہ تخت اس مقام تک لایا گیا تھا اور میں جب اندازے کے مطابق اس جگہ پہنچا تو میں نے دانستہ طور پر مشکوک حویلی میں پناہ لی۔ میری حیثیت یہاں ایک قاتل شکاری کی ہے جس نے ایک آدمی کا خون کر دیا ہے اور اس عمارت کا مالک جاگیردار مجھے قاتل سمجھ کر ہی یہاں پناہ دیے ہوئے ہے۔ وہ مجھے اپنا آلۂ کار بنانا چاہتا ہے۔"

"مگر آپ نے کس کا خون کیا ہے؟"

"مرجو نام کے ایک آدمی کا جو صرف اس لیے اس آبادی کے باہر والے نالے پر مقرر کیا گیا تھا کہ اگر کوئی مشکوک اجنبی آبادی میں داخل ہونا چاہے تو اسے پراسرار طور پر ختم کر دیا جائے تاکہ نہ قتل کا پتہ چلے نہ قاتل کا۔"

"تو اس نے آپ پر حملہ کیا تھا؟" بالے نے پوچھا۔

"ہاں۔ اور پھر میں اسے اپنی گولی سے ہلاک کر کے ایک اناڑی خوفزدہ قاتل بن گیا۔"

"اس وقت اس بستی کے لوگ تو غصے میں میری بوٹیاں نوچ ڈالتے، لیکن اسی جاگیردار نے کچھ سوچ کر میری بے گناہی کی گواہی دے کر مجھے بچا لیا۔ تب سے وہ لوگ اس کے دوسرے مبینہ قاتل کو تلاش کر رہے ہیں۔" خان نے بتایا۔

"تبھی مجھے قاتل سمجھ کر وہ لوگ مجھ پر ٹوٹ پڑے تھے۔" یہ کہہ کر بالے نے سارا واقعہ خان کو سنا دیا۔

Akram Allahabadi

''لوگوں کو بھڑکانے والا وہ آدمی بھی جاگیردار کا ہی آدمی ہوگا، مگر وہ کانسٹیبل کون تھا؟'' خان سوچ میں پڑ گیا۔

''یہ تو میری بھی سمجھ میں نہیں آیا، لیکن اس کا اندازِ گفتگو بتاتا تھا کہ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں تھا۔'' بالے نے کہا۔

''خیر، وہ کوئی بھی سہی، لیکن مددگار ہی نکلا ہمارا۔''

''تو پھر اب؟'' بالے نے سنجیدگی سے سوال کیا۔

''میں جاگیردار کو بتا چکوں کہ میں اپنے ایک گمشدہ ساتھی کو تلاش کرتا ہوا ادھر آ نکلا تھا اور اب کہہ دوں گا کہ وہ ساتھی تم ہی ہو۔'' خان نے کہا۔

''لیکن یہ چوروں جیسا داخلہ؟''

''وہ میں سمجھ لوں گا، لیکن تمہارا یہ بندر کا بچہ؟'' خان یہ کہہ کر کچھ سوچنے لگا۔

''یہ ہمارے شکاری ہونے کا ثبوت ہو سکتا ہے۔''

''اور بندوق؟''

''فولڈنگ ۲۱۳ میرے پاس ہے۔'' یہ کہہ کر بالے نے کوٹ اتار ڈالا۔ خان نے دیکھا اس کی پیٹھ پر چمڑے کا وہ تھیلا بندھا ہوا تھا جس میں بندوق کا بیرل دستہ وغیرہ علیحدہ کر کے رکھے تھے۔ پھر اس نے تھیلی کھول کر بندوق کے متشرح حصوں کو منسلک کر کے بندوق تیار کر لی۔

''یہاں کافی محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ مجھے صرف اس قدر سن گن مل سکی ہے کہ چند دن پہلے چار آدمی جاگیردار کی معیت میں اس نالے کی طرف سے کوئی چیز جو تارپولین سے ڈھکی ہوئی تھی اٹھا کر اس عمارت میں لائے تھے، مگر اس عمارت کی تلاشی لینے کے باوجود مجھے کوئی ایسی چیز یہاں نہیں مل سکی ہے۔''

''تو گویا آپ کو اس جاگیردار پر شک ہے؟''

''بالکل۔ یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ کسی اور مقصد کیلئے مجھے

قاتل سمجھ کر بلیک میل کرنا چاہتا ہو۔'' خان نے بتایا۔''بہر حال وہ کافی چالاک اور محتاط آدمی معلوم ہوتا ہے۔''

''روحوں کی آوازیں بھی اب بند ہو چکی ہیں۔''بالے نے کہا۔

''بظاہر تو اس چیز کا مقصد پولیس کو اور زیادہ اس طرف متوجہ کرنا ہی معلوم ہوتا ہے، لیکن ایسا کیوں ہے اور اس کی پشت پر کس کا ہاتھ کام کر رہا ہے، یہ سمجھنا آسان نہیں ہے۔''

''باہر کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دے رہی ہے۔''بالے کے کان کھڑے ہو گئے۔

''شاید اس کا کوئی نوکر ہو۔اس وقت وہ گھر پر نہیں ہے۔''خان نے یہ کہہ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔بالے نے دیکھا باہر ایک قد آور تندرست اور خوفناک شکل کا آدمی کھڑا تھا۔وہ بظاہر کوئی بھیل معلوم ہوتا تھا۔اس کی آنکھیں سرخ اور خوفناک تھیں۔وہ بالے کو گھورنے لگا۔ اس کے ہاتھوں میں چائے کی ٹرے تھی۔

''یہی ہے وہ میرا ساتھی جسے میں تلاش کرتا آیا تھا۔''خان نے سرگوشی کے لہجے میں اس آدمی سے کہا۔اور وہ کوئی جواب دیے بغیر چائے کی ٹرے اندر بچھی ہوئی ایک پرانی سی میز پر رکھ کر باہر نکل گیا۔

بندر کا بچہ بالے کے کندھے سے کود کر ٹیبل پر آ گیا۔

''ہاں ہاں بھئی، باپ کا مال نہیں ہے۔''بالے نے اس کے ہاتھ سے چینی کی پیالی چھین لی، ورنہ وہ اس کی مضبوطی کا امتحان کر چکا ہوتا۔

پیالیوں میں چائے انڈیل کر خود بالے نے ہی خان کو دی اور خود بھی چسکیاں لینے لگا۔بندر کا بچہ بھی اس کے ذائقے سے بے نیاز نہ رہ سکا۔بالے نے تیسری پیالی میں بھی تھوڑی سی چائے انڈیل دی، لیکن بندر کا بچہ جل گیا اور وہ اچھل کر چیختا ہوا دور ایک کرسی پر جا بیٹھا۔بھڑا ہوا دروازہ دوبارہ کھولنے کی چرچراہٹ نے ان کی گفتگو پھر کاٹ دی۔بالے کی آنکھیں چندھیا

گئیں۔

''آپ...قلندر یاور خاں ہیں نا؟'' ایک نرم و نازک سی سریلی آواز سنائی دی۔

''خدا مالکِ مکان کو غریقِ رحمت کرے، کیا حسین جانور پالا ہے۔'' بالے کے منہ سے دبی زبان سے نکلا۔

لڑکی کے جواب میں خان نے اثبات میں گردن ہلا دی۔

''اور یہ؟'' اس کا اشارہ بالے کی طرف تھا۔ ساتھ ہی اس کے گول گندمی چہرے پر گھنیری پلکوں والی خوبصورت اور کھلی ہوئی آنکھوں میں ایک استفساریہ کیفیت پیدا ہوگئی۔ اس سے نگاہیں ملاتے ہی بالے کی جمالیاتی حس جاگ اٹھی۔

''یہ میرے ساتھی...'' خان نے جواب دینا چاہا۔

''سرمد یار خان کہتے ہیں مجھ غریب کو۔'' بالے نے اپنا تعارف خود ہی کرا دیا اور خان اسے گھور کر رہ گیا۔ اس کے جواب میں ایک خفیف سی معنی خیز مسکراہٹ اس لڑکی کے لبوں پر پھیل گئی۔ مغرب زدہ انداز میں کاٹے گئے مختصر مگر سیاہ بالوں میں اس کے زیرِ سایہ اس کی چوڑی پیشانی اور دیدہ زیب نقش و نگار والا گول چہرہ اس وقت بہت پرکشش معلوم ہو رہا تھا۔ اس نے فیٹر کٹ نیلا فراک پہن رکھا تھا، جو اس کے سڈول بدن پر بہت موزوں اور جذبات خیز حد تک چست نظر آ رہا تھا۔ بالے کے دماغی فرصت خانے میں کیڑے رینگنے لگے۔

''آپ کو چچا جان یاد فرماتے ہیں۔'' وہ خان سے بولی۔

''اور خاکسار کو؟'' بالے نے مسخری شکل بنا کر کہا۔ وہ اس وقت مجسم احمق نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا۔

''آپ کے بارے میں مجھ سے کچھ نہیں کہا گیا۔''

''تو آپ اپنی ہی طرف سے کہہ دیجیے گا۔'' بالے نے کسی بچے کی طرح منہ لٹکا کر کہا۔

Akram Allahabadi

''شٹ اپ۔''لڑکی نے چڑ کر اسے ڈانٹ سنائی۔

''ڈیئر پپی۔''بالے بندر کے بچے کی طرف مخاطب ہوا۔''میڈم مرچی مسالہ معلوم ہوتی ہیں۔''

لیکن لڑکی اس کا جواب دیے بغیر واپس لوٹ گئی۔

''تم بعض اوقات بڑی بے محل بیہودگیاں کرتے ہو۔''

''محل بنوانے کیلیے چندہ عطا فرمایے، خادم اس میں بیٹھ کر..''

''بکواس بند کرو، ہمیں چلنا چاہیے۔''

''ڈارون صاحب کے بارے میں کیا خیال ہے؟''بالے کا اشارہ بندر کی طرف تھا۔

''ساتھ لے لو، اچھا ہی رہے گا۔''خان نے دروازے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔ چنانچہ دونوں کمرے سے نکل کر راہداری طے کرتے ہوئے ایک زینے کے ذریعے نیچے آ گئے۔

ایک شاندار وسیع کمرے میں وہ ان کا انتظار کر رہا تھا۔ایک رعبیلے چہرے اور خوفناک خدوخال کا آدمی جو سر سے پیر تک کوئی عیاش قسم کا مغرور جاگیردار معلوم ہوتا تھا، اس کے چہرے پر گھنی گھنی لمبی مونچھیں تھیں۔

''بیٹھ جاؤ۔''اس نے خان سے تحکمانہ لہجے میں کہا۔اور خان سہمی ہوئی سی کیفیت خود پر طاری کر کے اس کے سامنے بیٹھ گیا۔بالے اب تک کھڑا اس آدمی کی بجائے اس کمرے کی دیواروں پر لگے ہوئے ہاتھ سے بنائی گئی تصویروں کے قدِ آدم فریمو کو دیکھ رہا تھا۔غالباً یہ اسی جاگیردار کے آبا واجداد کی قلمی تصاویر ہونگی۔

''کیا یہی ہے تمہارا وہ ساتھی؟''اس نے بھاری آواز میں بالے کی طرف اشارہ کر کے خان سے پوچھا۔

''جی...جی ہاں۔''خان نے مختصر سا جواب دیا۔

Akram Allahabadi

''نہیں نہیں، صاحب۔ میں اس آدمی کا ساتھی واتھی نہیں ہوں۔اس نے خون کیا ہے۔ میں اس کے ساتھ جیل نہیں جاؤنگا۔'' بالے چونکنے والے انداز میں ان کی گفتگو سن کر بول اٹھا۔

''بڑے طوطا چشم دوست ہو تم۔'' جاگیردار معنی خیز سنجیدگی کے ساتھ بولا۔

''طوطا؟'' بالے یہ کہہ کر اپنے چاروں طرف دیکھنے لگا۔''اوہ شاید آپ مثال دے رہے ہیں۔'' وہ بیوقوفوں کی طرح ہنس پڑا۔

''بیٹھ جاؤ۔'' جاگیردار نے بھاری آواز میں بالے کو بھی حکم دیا۔

''نہیں بیٹھتا، مجھے یہاں خطرے کی بو آرہی ہے۔'' بالے نے سر جھٹک کر کہا۔

''کیا مطلب؟'' جاگیردار نے پلکیں جھپکا کر پوچھا۔جس کے جواب میں بالے غور سے ان دیوار گیر فریموں کو دیکھنے لگا۔

''یہ...یہ آپ کے ابا جان، دادا جان وغیرہ وغیرہ کی تصویریں ہیں نا؟''

''کیا بکنا چاہتے ہو تم؟'' جاگیر کا موڈ بگڑنے لگا۔

''مجھے آپ خاندانی خوفناک معلوم ہو رہے ہیں۔ان...ان تصویروں کی طرح۔'' بالے نے اب نظریں جاگیردار کے چہرے پر جما کر کہا۔

''اس کی باتوں پر نہ جایئے، یہ عقل سے ذرا مختصر واقع ہوا ہے۔'' خان نے بیچ میں دخل دیا۔

''آپ اپنی وسعت رہنے دیجیے، بھائی صاحب۔'' بالے خان کی طرف لوٹ پڑا۔

''میں کسی خونی وونی کا ساتھ دینے کیلیے تیار نہیں ہوں، خواہ میری بیوی کا باپ ہی کیوں نہ ہو۔''

''اوہ، تو تم بال بچے والے شریف آدمی ہو۔'' جاگیردار کا لہجہ اب بھی معنی خیز تھا۔

''میں صرف مثالاً عرض کر رہا تھا۔ ویسے میرے پاس شرافت کا شجرہ موجود ہے۔ میں خاندان تن تن زئی کا اکیسواں ہندوستانی پیر ہوں۔'' بالے بے لگام ہو کر بکنے لگا۔لیکن اب

اس کا اظہارِ حماقت کی حد تک جاگیردار کیلیے شبے کا باعث ہو رہا تھا۔ وہ اسے عجیب سی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"مجھے تم پر شبہ ہو رہا ہے۔" جاگیردار کے ان الفاظ نے خان کو چونکا دیا، مگر وہ بالے سے مخاطب تھا۔

"آپ کو جو کچھ بھی ہوتا ہو، میں اس کا ذمے دار نہیں ہوں۔ آپ لوگ مجھ پر دباؤ ڈالیں گے تو میں خود پولیس اسٹیشن پہنچ کر رپٹ لکھوا دونگا۔" بالے نے رپورٹ کی ٹانگ توڑ کر کہا۔

"لیکن میں اس بات کی گواہی دونگا کہ تم بھی اس خون میں شریک تھے اور میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ اور میری گواہی کوئی رد نہیں کر سکتا۔"

"ارے خدا مغفرت کرے آپ کی، آپ جھوٹ بولیں گے گویا؟"

"تمہارا صرف یہی علاج ہے۔" جاگیردار مسکرایا۔

"چچا جان، کوئی ملنے آیا ہے۔" اچانک وہی خوبصورت لڑکی پھر داخل ہوئی۔ بالے پلٹ کر اسے دلچسپ نظروں سے دیکھنے لگا، جس پر لڑکی نے برا سا منہ بنایا۔ جاگیردار خاموشی سے اٹھ کر باہر چلا گیا اور اس کے پیچھے وہ لڑکی بھی۔

"باس، کیا خیال ہے؟" بالے نے آہستہ سے خان سے پوچھا۔

"مثلاً؟"

"یہ لڑکی۔"

"خیال نیک ہے۔"

"تو یعنی کہ فدوی کو عشق فرمانے کی اجازت ہے؟"

"بشرطیکہ جنون کی حد تک نہ پہنچے۔"

"کیا آپ واقعی سنجیدہ موڈ میں ہیں؟"

Akram Allahabadi

''خود اندازہ لگالو۔''

''خدا آپ کو انسپکٹر جنرل بنائے، آج آپ نے سمندر دلی کا مظاہرہ کیا ہے۔'' خان چونکا۔

''دریا دلی کی اعلیٰ قسم ہے۔''

''کوئی آرہا ہے۔'' خان نے باہر دالان نما حصے میں کسی کے قدموں کی چاپ سن کر کہا۔

''میں تمہارے جھانسے میں آنے والا نہیں۔ خون تم کرو اور بھگتوں میں۔'' بالے نے ایک دم لہجہ بدل دیا۔

''تمہیں بھگتنا ہی پڑے گا، ورنہ دونوں کے حق میں پھانسی ہے۔''

''پھانسی؟'' بالے حلق کے بل چیخا۔

''اس میں کیا شک ہے۔'' اندر داخل ہوتے ہوئے جاگیردار کی بھاری آواز گونجی۔

''مگر میں مرنا نہیں چاہتا۔ ابھی تو مجھے شادی کر کے دو چار بچوں کا والد ہونا وغیرہ بننا ہے۔'' بالے نے اس سنجیدگی سے یہ جملہ ادا کیا کہ خود جاگیردار بھی ہنسے بغیر نہ رہ سکا، لیکن اس کے پیچھے آنے والی اس خوبصورت لڑکی کو بالے نے آنکھ ماردی، جس پر وہ غصے سے تلملا گئی اور بالے کی آنکھوں میں شرارت آمیز چمک پیدا ہو کر معدوم ہو گئی۔

''میں فضول وقت گنوانا نہیں چاہتا، تمہیں تمہارا ساتھی مل چکا ہے، اب کام کی باتیں ہونی چاہییں۔'' جاگیردار خان سے مخاطب ہوا۔

''آخر ہمیں کرنا کیا ہوگا؟'' خان نے پوچھا۔

''ایک مقدس امانت کو سب کی نظروں سے بچا کر پوری حفاظت کے ساتھ مالنگا پہنچانا ہوگا۔''

''مقدس امانت؟''

Akram Allahabadi

''تمہیں اس سے کوئی تعلق نہ ہونا چاہے کہ وہ کیا چیز ہے اور اگر تم میں سے کسی نے یہ جاننے کی کوشش کی تو تمہارا صرف ایک انجام ہوگا۔''

''یعنی موت۔'' بالے بیچ میں بول اٹھا۔

''کچھ سمجھدار آدمی معلوم ہوتے ہو۔'' جاگیردار نے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

''آپ کی دعا سے۔''

''یہ امانت کسے دینی ہوگی؟''

''وہ میں سب سمجھا دوں گا۔''

''کیا یہ بہتر نہ ہوگا کہ آپ ہماری رہنمائی کیلیے ان کو ساتھ کر دیں۔'' بالے کا اشارہ اس بار اس لڑکی کی طرف تھا۔

''شٹ اپ۔'' لڑکی بگڑ کر تقریباً چیخ اٹھی۔

''نیشی، تم باہر جاؤ۔'' جاگیردار اسے گھور کر بولا اور وہ بالے کو قہر آلود نظروں سے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔

''میں بدتمیزی کو قطعی پسند نہیں کرتا۔'' وہ بالے کو بھی غصیلی نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''اپنی اپنی عادت ہے، گاجیردار صاحب، آئی ایم ساری جاگیردار صاحب۔ میں نے پیدا ہوتے ہی اپنی دائی کو لات ماردی تھی۔'' بالے پھر ڈھٹائی پر اتر آیا، لیکن جاگیردار نے جیسے اس کے الفاظ سنے ہی نہیں۔

''ابھی کافی وقت ہے، میری کار تمہیں مالنگا کی سرحد تک پہنچا دے گی، وہاں سے تمہیں پیدل جانا پڑے گا۔ اس کے بعد تم وہاں ٹھہر کر میری ہدایت کا انتظار کرو گے۔'' یہ کہتا ہوا وہ اٹھ کھڑا ہوا اور لمبے لمبے قدم رکھتا ہوا باہر نکل گیا۔

''معاملہ اپنے پلے نہیں پڑ رہا ہے کچھ۔'' بالے اس کے جانے کے بعد خان سے

بولا۔

''عقل ورثے میں نہیں ملی تھی تو کسی سے ادھار ہی لے لی ہوتی۔'' خان نے برا سا منہ بنا کر جواب دیا۔

''میں نے امریکہ سے فرینکسٹن کا بھیجا منگوایا ہے۔'' بالے کی ڈھٹائی برقرار رہی۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

خوفناک دھماکہ

اوراس کے کچھ دیر بعد ہی وہ ایک لینڈ و باڈی ڈاج میں مالنگا کی سرحد کی طرف جارہے تھے۔ڈرائیور یا تو بہرہ تھا،اس نے دانستہ کان بہرے کررکھے تھے۔وہ ان کی کسی بات کا جواب نہیں دے رہا تھا۔اس کی نگاہیں راستے پر لگی تھیں اور ہاتھ اسٹیئرنگ پر تھے۔مالنگا کی سرحد تک پہنچنے کیلیے انھیں ایک چھڑے ہوئے جنگل سے گزرنا پڑ رہا تھا۔سڑک کچی، تنگ اور ٹل کھائی ہوئی تھی جس کی وجہ سے کار کو بار بار دھچکے لگتے اور ہر موڑ پر وہ مخالف سمت میں جھکنے لگتے۔ان کے پاس ہی ایک لکڑی کا صندوق بھی رکھا تھا جو پیک کیا ہوا تھا۔زمیندار نے اسی امانت کو بحفاظت مالنگا کی سرحد میں واقع ایک چھوٹی سی پہاڑی بستی میں مقیم ایک بوڑھے آدمی کے پاس بھیجا تھا، جو اس کے بیان کے مطابق ایک قیمتی پتھر کا سوداگر تھا۔زمیندار نے انھیں سختی سے یہ بھی ہدایت کردی تھی کہ اسے کھولنے کی کوشش ہرگز نہ کرنا ورنہ سخت سزا ملے گی۔ راستے بھرانھوں نے کوئی ایسی غیر محتاط گفتگو نہیں کی جس پر ڈرائیور کو ہلکا سا بھی شبہ ہو سکے، بلکہ بالے خان پر ہی بڑبڑاتا رہا کہ خود مفت میں ایک آدمی کا خون کرکے مجھے بھی اس عذاب میں پھنسایا۔چلے تھے شکار کھیلنے۔اور خان اسے ہر بار معذرت کرکے سمجھاتا کہ جو ہونا تھا، وہ ہوگیا۔ ہم اس کام کے بعد آزاد ہوجائیں گے اس فکر سے۔

اچانک گاڑی ایک جگہ چلتے چلتے رک گئی۔

''اتر جاؤ یہیں۔''ڈرائیور نے گھوم کر کہا۔

''یہاں، یعنی اس ویرانے میں؟''بالے نے اظہار حیرت کے طور پر کہا۔

''ہاں۔یہاں سے آگے تمھیں پیدل جانا پڑے گا۔اس راستے سے گاڑی آگے نہیں چل سکتی۔وہ سامنے جو خشک ندی ہے اس کے پار مالنگا کا علاقہ پھیلا ہوا ہے۔''ڈرائیور نے

انھیں اشارے سے بتایا اور خود ہی کار کا پچھلا دروازہ کھول دیا۔خان اور بالے ایک دوسرے کو اشارہ کر کے چپ چاپ اتر گئے۔ڈرائیور جھنجلایا ہوا سا پھر گاڑی میں بیٹھ گیا اور کار وہیں سے پلٹ کر جدھر سے آئی تھی اسی طرف روانہ ہو گئی۔

''آخر آپ نے اسے چھوڑ کیوں دیا؟'' بالے اس بھاری صندوق کو زمین پر رکھتے ہوئے بولا۔

''ڈرائیور ہمارے کسی کام کا آدمی نہیں، وہ صرف حکم کا بندہ ہے۔''

''ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ہم اس جنگل بیابان میں حاتم طائی کے سات سوال حل کرنے جا رہے ہیں۔''

''چلو اٹھاؤ صندوق، ہمیں آگے چلنا ہے۔''

''یعنی آپ سچ مچ اس کی ہدایت پر عمل کر رہے ہیں۔''

''ہمیں کم از کم اس شخصیت تک پہنچنا تو چاہیے جس کے پاس یہ امانت بھیجی گئی ہے۔''

''اور اگر اس امانت میں کچھ خیانت ہوئی تو؟''

''یہ آگے چل کر سوچیں گے، پہلے یہاں سے کھسکو، ممکن ہے وہ ڈرائیور کسی موڑ پر گاڑی روک کر ہمیں دیکھ رہا ہو۔''

''کیا خبر تھی بدنصیب بالے کو کہ اس سارجنٹی میں حمالی بھی فرمانی پڑے گی۔'' وہ برا سا منہ بنا کر بادل ناخواستہ صندوق اٹھاتے ہوئے بولا۔

''صبح کا بھولا اگر شام کو گھر واپس آ جائے تو اسے بھولا نہیں کہتے۔'' خان آگے بڑھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

اتنے میں بندر کا بچہ بالے کے خالی کندھے سے اچھل کر خان کے سر پر چڑھ گیا۔

''ہشت، اتر نیچے۔'' خان نے اسے ہاتھ سے پکڑ کر نیچے گرا دیا۔بالے کی کلائی میں

ندھی ہوئی ریشمی ڈوری کافی لمبی تھی، اس لیے بندر کے بچے کو اچھلنے کودنے می کوئی وقت نہ ہوتی تھی۔

"یہ آپ میری اولاد سے بھی غالباً ایوسا ہی سلوک کریں گے۔" بالے نے شکایت لہجے میں کہا۔

"تو کیا کسی بندریا سے شادی کرنے کا ارادہ ہے؟" خان مسکرایا۔

"شادی؟ ہائے، اپنی تقدیر میں ایسی اچھی بات کہاں۔"

"بڑے ناشکرے ہو۔"

"اب کیا یہ کم ٹریجڈی نہیں کہ جولی جیسے وہ شادی سے پہلے ہی طلاق مانگتی ہے۔"

"خیر میں ایسا انتظام کروں گا جو شادی کے بعد طلاق مانگے۔"

"کاش ہندوستان میں ٹمپریری شادی کا رواج ہوتا۔"

"کم ازکم دس لڑکیوں کے باپ تمہارے پیچھے لاٹھی لیے ضرور گھومتے پھرتے۔"

"بندریا کا بچہ پھر بالے کے ہاتھ پر اچھل کر اس کے کندھے پر جا بیٹھا۔

"باس، میں ٹارزن معلوم ہو رہا ہوں نا اس جنگل میں؟"

"ہُنم...فقط دم کی کسر ہے۔"

"آپ کو ٹارزن کے بچے نہیں معلوم ٹھیک ہے۔"

"شاید یہی وہ خشک ندی ہے۔" خان نے ایک ڈھلوان کی طرف اشارہ کیا۔

"بسم اللہ۔" بالے اتر گیا۔

ندی پار کرنے کے بعد وہ ڈرائیور کے چھپ کر دیکھنے کے اندیشے سے بے نیاز ہو گئے۔ بالے ایک چٹان پر جھکے ہوئے انداز میں بیٹھ گیا اور رومال نکال کر پسینہ پونچھنے لگا۔

"تم کوئی حاملہ عورت تو نہیں ہو۔" خان نے اسے بھڑ جانے کیلیے طنز کیا۔

"لاحول ولاقوۃ، کوئی اور خوبصورت تشبیہہ نہیں ملی تھی آپ کو؟"

Akram Allahabadi

''تمہاری اس نزاکت آفرینی کی اور کیا تشبیہہ ہوگئی۔ایک ہلکے سے صندوق کے اٹھانے میں پسینہ آ گیا۔''

''کیا اسے دو چار میل لے کر چلنا ہوگا؟''

''خیال تو ایسا ہی ہے۔''

''اپنا خیال مختلف ہے۔''

''مثلاً؟''

''اسے کہیں کسی غار میں پھینک کر چلا جائے۔اب ہمیں آخر زمیندار کے پاس پلٹ کر تو جانا نہیں ہے۔''

''پھینک کر دیکھ لو۔''خان مسکرایا۔

''ارے،یعنی...جیسے یہ کچھ بات نہیں ہوئی۔''

''دیکھو،آگے وہ ڈھلوان ہے،وہیں سے نیچے پھینکو۔''

''میں واقعی پھینک دوں گا۔''

''ہاں ہاں،شوق سے۔''

''سچ کہہ رہا ہوں۔''بالے چٹان کے دوسری طرف بڑھتے ہوئے بولا۔

''میں بھی تو سچ کہہ رہا ہوں۔''

''تو پھر یہ لیجیے۔''یہ کہہ کر بالے نے اوپر سے وہ صندوق نیچے ڈھلوان میں پھینک دیا،جو سوڈیڑھ سو فٹ سے بھی زیادہ گہرا رہا ہوگا۔

مگر ساتھ ہی وہ ایک دھماکے کی آواز سے اچھل پڑا۔اس نے پھٹی پھٹی آنکھوں سے خان کی طرف دیکھا،خان کے لبوں پر مسکراہٹ تھی۔

''یعنی یہ بھی کچھ نہ ہوا۔''بالے نے حیرت سے کہا۔

''یقیناً کچھ نہیں۔''

''تو آپ جانتے تھے کہ دھماکہ ہوگا۔''

''میں اسی صندوق کے اندر جا کر تو نہیں نکلا تھا، مگر اتنا تو تم بھی سوچ سکتے ہو اسے کھولنے کیلیے ہمیں خاص طور سے منع کیا گیا تھا۔''

''تب تو ہمیں یہ بچانے والی بات ہوئی۔''

''نہیں، بلکہ ضد دلانے والی، تاکہ ہم اس کی خصوصیت کے پیش نظر اسے کھول کر دیکھنے کی کوشش کریں اور کھولتے ہی وہ پھٹ کر...''

''ہمارا ستیاناس کردے۔'' بالے نے باقی جملہ پورا کر دیا۔

''تو پھر وہ بوڑھا آدمی جس کے پاس تمہیں بھیجا جا رہا تھا؟''

''اس کے بارے میں دو مختلف رائیں ہو سکتی ہیں۔ یا تو یہ کہ ایک مقصد اس کے بشمول ہم تینوں کو اسی دھماکے سے ہلاک کرنا یا پھر اگر ہم اسے کھولے بغیر اس تک پہنچا دیں تو اسے کھولتے وقت اس کی موت اور ہم پر الزام قتل۔'' خان نے کہا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ہمیں جلد از جلد اس بوڑھے آدمی تک پہنچنا ہوگا۔''

''یقیناً۔''

''تو چلو ڈارلنگ پپی۔ خوش نصیب تھے جو تم بھی بچ گئے ورنہ اپنی نارزنی خاک میں مل جاتی۔''

بالے نے بندر کے بچے کو چمکارتے ہوئے قدم بڑھایا۔ خان اندازے کے مطابق ایک پگڈنڈی پر چلنے لگا۔

''وہ دونوں تو ابھی رائے سینا کے محل میں ہی نمک حرامی کر رہے ہوں گے۔ آپ انھیں کار لائقہ سے یاد نہ فرمائیں گے۔''

''گھبراؤ نہیں، وہ ہمیں مالنگا کی حدود میں ہی کہیں بھٹکتے مل جائیں گے۔ میں نے کمیونیکیٹر سے انھیں ہایت پہنچا دی تھی۔''

Akram Allahabadi

''اور وہ زمیندار، کیا وہ اسی طرح ہمارے سینے پر بیٹھا چنے دلیگا؟''

''چنے نہیں، مونگ۔''

''محاورہ پرانا ہو چکا ہے۔''

''قدرتی طور پر ہم اس کا ابھی کچھ نہیں بگاڑ سکتے، لیکن جائے گا کہاں بچ کر۔ اسے اپنے کیے کی سزا بھگتنی پڑے گی۔''

''یعنی سر دست اس کی چھٹی ہے۔''

''نہیں۔ ہماری روانگی سے پہلے ہی اس پر بھی خفیہ نگرانی قائم ہو چکی ہے۔''

''مالنگا کی اس بستی کا نام کیا بتایا گیا ہے آپ کو؟''

''آسوگاؤں، یہاں سے زیادہ دور نہ ہوگا۔''

دونوں ایک ناہموار پہاڑی علاقے میں محتاط طریقے پر چلتے رہے اور شام ہونے سے پہلے پہلے وہ اس کوگاؤں کے نزدیک پہنچ گئے جس کا پتہ خان کو بتایا گیا تھا۔ یہ اچھا خاصا قصبہ تھا، لیکن سوائے ایک دومنزلہ کچے مکان کے باقی تمام مکانات جھونپڑوں کی شکل کے تھے۔ یہاں انھیں پھر شکاری بن جانا پڑا۔ اس وقت وہ کچی اینٹوں کا دومنزلہ مکان باہر سے بند تھا۔ اس پر تالہ لگا ہوا تھا، مگر گاؤں والوں سے یہ جان کر انھیں حیرت ہوئی کہ یہ مکان عرصے سے اسی طرح بند پڑا ہوا ہے۔ گاؤں والوں کا کہنا تھا کہ اس میں بھوت بستے ہیں۔ نہ کوئی اس میں رہتا ہے نہ اسے کبھی کھولا جاتا ہے۔

اس مکان کے بارے میں مختلف قسم کی آسیبی روایات بھی مشہور تھیں جنھیں سن کر بظاہر خان اور بالے بھی سہم گئے اور انھوں نے ایک رات کے قیام کیلیے وہ اس دومنزلہ آسیبی مکان کے پاس والا ایک جھونپڑا جو شاید اسی حیثیت کی وجہ سے آباد نہیں رہ سکا تھا اس کے مالک سے کرائے پر لے لیا۔ گاؤں والوں کیلیے ان شکاریوں کی شخصیتیں بھی کچھ پراسرار تھیں، کیونکہ انھوں نے نہ تو کسی سے زیادہ بات چیت کی، نہ ہی وہ شام تک اپنے جھونپڑے سے باہر نکلے۔

بالآخر رات ہو گئی۔

رات کا سناٹا جیسے جیسے بڑھنے لگا، قصبہ ویران ہوتا چلا گیا۔ یہاں گھنی آبادی، شہروں کی طرح راتوں کو زیادہ دیر تک چہل پہل نہ ہوتی تھی۔ اگر کوئی ۹۔۹ بجے رات کو اپنے گھر سے باہر نکلتا تو اسے سارا گاؤں سویا ہوا معلوم ہوتا تھا۔ سوائے چودھری کی چوپال، یا برہمی کی مندر کے جہاں گاؤں کے بڑے بوڑھوں کی بیٹھک ہوا کرتی تھی۔ گوالوں کے لڑکے بھی کبھی کبھی ٹولیاں بنا کر کسی جھونپڑے کے سامنے یا پھر چاندنی رات میں پنگھٹ پر اپنی بنسریاں لے کر جا بیٹھتے اور ان کی بنسریوں سے نکلی ہوئی مدھر تانیں سارے گاؤں والوں کو سلا دیتیں۔ مندر کے بوڑھے برہمن کو تو اس وقت ایسا مزا آنے لگتا جیسے کرشن جی گوپیوں کے ساتھ مصروف رقص ہیں۔

مگر آج خلافِ معمول زیادہ سناٹا تھا اور چودھری کی چوپال میں لوگ ان دو نئے شکاری مسافروں کا ذکر کر رہے تھے جو انتہائی بیوقوفی کا ثبوت دیتے ہوئے اس آسیبی مکان کے پاس ہی ٹھہرے تھے۔ دو سال پہلے اسی مکان میں دو چوروں نے پناہ لی تھی جو دوسرے دن صبح مردہ پائے گئے تھے۔ پولیس نے خود اس مکان کا تالہ توڑ کر ان کی لاشیں برآمد کی تھیں۔ لیکن کیونکہ وہ خود بدنام چور تھے، اس لیے پولیس نے زیادہ چھان بین بھی نہ کی اور زمیندار کے ہرکارے نے آ کر مکان کو پھر مقفل کر دیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

پراسرار قتل

''آخر آپ ہیں کس انتظار میں؟ اس زمیندار کے بچے نے ضرور ہم سے جھوٹ بولا ہوگا۔ وہ سمجھا ہوگا کہ ہم تو بکس کھول کر دھماکے سے ختم ہو ہی جائیں گے، پھر جھوٹ سچ کا فیصلہ کرنے آئے گا کون۔'' بالے شدتِ انتظار سے بور ہوتے ہوئے خان کوٹوکا۔ خان اس وقت اس جھونپڑے کے پچھلے دروازے سے نکل کر باہر چبوترے پر تاریکی میں منڈیر پر بیٹھا اس ویران مکان کے پچھلے حصے کو گھور رہا تھا۔

''تمہارا خیال ٹھیک ہوسکتا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے یہ مکان خود اسی جاگیردار کا ہو اور دشمنوں کو ٹھکانے لگانے کیلئے مخصوص ہو۔'

''تاکہ ہم دھماکے سے بچ جائیں تو یہاں مارے جائیں۔'' بالے نے لقمہ دیا۔

''چلو ہم اسے اندر سے کیوں نہ دیکھیں۔''

''وہ بالکل اجاڑ ہے۔'' بالے نے اس مکان کی حیثیت سے ایک خوف سا محسوس کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں، دیکھ رہا ہوں۔''

''ممکن ہے گاؤں والوں کے قول کے مطابق کوئی خطرناک آسیب بھی ہو وہاں۔''

بالے نے باہر خان کو ٹالنا چاہا۔

''اور وہ تمہارا گلا دبا دے۔''

''میں تو احتیاطاً عرض کر رہا ہوں۔ ویسے میں نے بیمہ کرالیا ہے اپنا۔''

''شش...'' خان نے اچانک اسے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ بالے بھی چونک کر دیکھنے لگا۔ تین انسانی سائے دو منزلہ کچی عمارت کی پچھلی سمت کی طرف بڑھ رہے تھے اور

درختوں کے اس جھنڈ سے نکلے تھے جو کچھ فاصلے پر پھیلے ہوئے ترکاریوں کے ایک کھیت کے پیچھے تھا۔ وہ سائے بڑے محتاط انداز میں اس عمارت کے پچھلے دروازے پر پہنچ کر رک گئے۔

''اپنے بندر کے بچے کو یا تو یہیں باندھ دو، یا چھٹی دو۔ تم میرے ساتھ آؤ۔'' خان نے سرگوشی کے لہجے میں بالے سے کہا اور فوراً اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ بالے نے بندر کے بچے کو وہیں چھوڑ دیا اور خان کے پیچھے چلنے لگا۔ وہ تیزی سے دوڑ کر درمیانی فاصلہ عبور کرتے ہوئے اس دو منزلہ مکان کی دیوار تک پہنچ گئے، لیکن وہ سائے اب غائب ہو چکے تھے۔ خان نے اپنا کان دیوار سے لگا دیا، لیکن اندر سے بھی کسی کی آہٹ سنائی نہ دی۔

پھر وہ دیوار کے سہارے کھسکتے کھسکتے اس دروازے تک جا پہنچے اور بالے چونک سا پڑا، جب اس کے ہاتھ رکھتے ہی وہ دروازہ اندر کی طرف کھل گیا۔ اندر گھٹا ٹوپ تاریکی تھی۔ ان کے دروازے میں جھانکتے ہی اندر سے نکلنے والی سیلن کی سڑاند نے انھیں ناک پر رومال رکھنے پر مجبور کر دیا۔ ہر طرف بھیانک سناٹے کا راج تھا۔ اسی ماحول میں تاریکی کے ہیبتناک تاثر نے ایک عجیب سی کیفیت پیدا کر دی تھی۔ خان آہستہ سے دروازے میں داخل ہو کر اندھیرے میں کھسک گیا۔ بالے اس کے پیچھے تھا۔ اندر شاید کوئی کشادہ کمرہ تھا۔ دروازے سے ہی وہ اندر کی طرف دیوار کے سہارے گھوم گئے۔ وہ اپنی سانسیں تک روک کر چل رہے تھے تاکہ خفیف سی آہٹ بھی نہ ہونے پائے۔

اس کمرے میں یقیناً کچھ نہ تھا۔ نہ ہی ان کے قدم کسی چیز سے ٹکرائے، نہ انھوں نے یہاں کسی ذی روح وجود کو محسوس کیا۔ اسی طرح ٹٹول کر چلتے ہوئے وہ ایک ایسی جگہ پر گئے جہاں دیوار میں دوسرا دروازہ تھا۔

خان نے بالے کا ہاتھ تھام لیا اور دونوں اسی طرح دیوار سے چپکتے دروازے کی چوکھٹ سے نکل کر اس دوسرے کمرے میں داخل ہو گئے۔ یہاں بھی وہی گہری تاریکی اور بھیانک سکوت مسلط تھا۔

Akram Allahabadi

لیکن ابھی چند ہی قدم بڑھے ہونگے کہ اچانک کوئی چیز دھڑام سے اوپر سے گری۔ بالے اچھل کر دور جا کھڑا ہوا۔گرنے والی چیز نرم، لیکن وزنی اور بڑی تھی۔خان نے فوراً جیب سے ٹارچ نکال کر اس پر روشنی ڈالی اور دونوں حیرت سے چونک پڑے۔یہ ایک تازہ انسانی لاش تھی جس کا گلا کٹا ہوا تھا اور اس سے اب تک خون رس رہا تھا۔وہ بڑے ہیبتناک طریقے پر فرش پر پڑی تھی۔خان نے ٹارچ کا رخ فوراً چھت کی طرف کر دیا۔لیکن یہ بات بھی کم حیرتناک نہ تھی کہ چھت میں کوئی سوراخ والی جگہ ایسی نہ تھی جہاں سے وہ نیچے گرائی گئی ہو۔اور پھر ایسا ہوتا بھی تو گرانے والا کون؟ سناٹا اب بھی ماحول پر مسلط تھا۔کچھ دیر تک خاموش کھڑے وہ ٹارچ بجھا کر ردِعمل کا انتظار کرتے رہے، لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کوئی چوہا تک اس عمارت کے کسی کونے میں نہیں ہے، ورنہ وہ کم از کم کچھ کھڑکھڑاہٹ کی ہی آواز ہوتی۔

باہر آتے ہی خان تیزی سے ایک سمت بھاگنے لگا۔اس کے کان بہت خفیف سی کھڑکھڑاہٹ کی کچھ آوازوں پر لگے تھے۔اور کچھ دیر بعد ہی بالے بھی یہ دیکھ کر چونک پڑا کہ وہ دراصل دو سیاہ سایوں کا پیچھا کر رہے ہیں، جو بہت تیزی سے آبادی کے کنارے کنارے بھاگ رہے تھے۔

''آپ گولی کیوں نہیں چلاتے ان پر؟'' بالے نے دوڑتے ہوئے پھولی ہوئی سانس کے ساتھ کہا۔

''چپ رہو، الّو۔'' خان نے پلٹ کر اسے سرگوشی کے لہجے میں ڈانٹا۔اور بالے موقع کی نزاکت کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاموش ہو گیا۔

''خبردار، رک جاؤ، ورنہ ہماری گولیاں تمہاری سر اڑا دیں گی۔'' کان نے جیب سے پستول نکالتے ہوئے پیچھے سے للکارا۔اور دونوں سائے ایک دم ٹھہر گئے۔وہ پلٹ کر خان اور بالے کو دیکھنے لگے۔خان جلدی ان کے قریب پہنچ گیا۔

''ہاتھ اوپر اٹھا دو۔'' خان نے حکم دیا۔

''مم مگر آپ؟''ان میں سے ایک نے ہکلاتے ہوئے کہا۔

اتنے میں بالے نے اپنی ٹارچ کی روشنی ان میں سے گرانڈیل آدمی کے چہرے پر پھینکی۔

''یہ لیجیے۔''وہ مضحکہ خیز انداز میں بولا۔''کھودا پہاڑ تو نکلے بھائی حرام مونچھ۔''

''بالے صاحب...تو...تو پھر وہ کون تھے؟''رؤف کے ساتھ میں ابراہیم کی گھبرائی ہوئی آواز سنائی دی۔

''وہ لوگ کون؟''خان نے جلدی سے پوچھا۔

''ہم آپ کو تلاش کرتے ہوئے پہنچے تھے اور ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ رات کہاں گزاری جائے کہ میں دو سائے اس مکان کی طرف سے نکل کر بھاگتے نظر آئے۔ان میں سے ایک کے دوڑنے کا انداز بالکل بالے صاحب جیسا تھا،اس لیے ہم ان کے پیچھے دوڑے۔ ابراہیم آواز دینا چاہتے تھے تو میں نے یہ کہہ کر روک دیا کہ ممکن ہے کوئی خاص بات ہو اور ہماری آواز ان کا کام بگاڑ دے۔''رؤف نے بتایا۔

''اف،اب تو کافی موقع مل گیا انھیں فرار ہو گیا۔''خان نے سر کھجلاتے ہوئے کہا۔''خیر،اس دو منزلہ میکان میں ایک لاش پڑی ہے،تم دونوں ہماری واپسی تک اس کی نگرانی کرو اور بالے تم میرے ساتھ آؤ۔''

خان یہ کہہ کر پھر آگے کی طرف دوڑنے لگا۔اور رؤف اور ابراہیم تیزی سے اس دو منزلہ کچی اینٹوں والی عمارت کی طرف چل دیے۔

خان اور بالے ایک گھنٹے کے بعد واپس لوٹے۔وہ تھکے ہوئے اور خاموش تھے۔ کافی دور تک کا علاقہ انھوں نے ٹارچ کی مدد سے چھان مارا تھا،لیکن کوئی انہیں نہ مل سکا۔

کچی عمارت میں داخل ہو کر خان نے سب سے پہلے ابراہیم کو قصبے کے پولیس اسٹیشن کی طرف بھیج دیا تا کہ وہ وہاں کے انچارج سب انسپکٹر کو ساتھ لے کر آئے اور وہ خود اندر

اس لاش کا معائنہ کرنے لگا۔صاف طور پر اس آدمی کا گلا کسی دھار دار چیز سے کاٹا گیا معلوم ہو رہا تھا۔شکل سے وہ ادھیڑ عمر کا آدمی معلوم ہوتا تھا جس کے چہرے پر چھتری ہوئی داڑھی بھی تھی۔بدن پر ایک اوسط درجے کا گرم سوٹ تھا جس کی تمام جیبیں خالی تھیں۔پھر کچھ سوچتے سوچتے وہ اس کے چہرے کو ایک سفید رومال سے پونچھنے لگا۔اس نے دیکھا رومال پر ہلکے سے میک اپ پاؤڈر کے دھبے نظر آنے لگے تھے۔یہ دیکھتے ہی سب سے پہلے اس نے اس کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈال کر جھٹکا دیا اور وہ اس کے ہاتھ میں آ گئی۔وہ مصنوعی تھی۔ڈاڑھی کے بغیر اس کا چہرہ غور سے دیکھ کر خان کسی فکر میں غرق ہو گیا۔

''کیا اپنا میل ملاقاتی ہے کوئی؟'' بالے نے دیر بعد گفتگو چھیڑتے ہوئے کہا۔

''آپ کا ہی کوئی رشتے دار معلوم ہوتا ہے۔'' یہ کہہ کر خان اپنی جیبیں ٹٹولنے لگا، لیکن وہ چیز اندر کی جیب سے نکلی۔وہ ایک لفافہ میں رکھا ہوا کسی کا فوٹو تھا۔ٹارچ کی روشنی میں خاں نے مقتول کی شکل اس سے ملانے کی کوشش کی اور ایک لمبی سانس لے کر اس نے اس تصویر کو پھر جیب میں ڈال دیا۔

''آپ شاید فال نکال رہے تھے کچھ۔''

''جی ہاں۔یہی کہ آپ کا اب حشر کیا ہوگا۔''

''بالے صاحب بقلم خود اپنے حشر سے مطمئن ہیں۔'' بالے نے جواب دیا۔

''لیکن یہ ہے کون؟''

''محکمۂ آثار قدیمہ کا سپرنٹنڈنٹ۔'' خان کے اس جواب نے بالے کو بری طرح چونکا دیا۔

''آثار قدیمہ کا سپرنٹنڈنٹ؟ خان کے اس جواب نے بالے کو بری طرح چونکا دیا۔''آثار قدیمہ کا سپرنٹنڈنٹ۔تو یہ بھی آثار قدیمہ بن گیا۔'' وہ اسے پھر سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''ہاں۔ مجھے اس کے بھی ملوث ہونے کا شک شروع سے ہی تھا، لیکن آج ثبوت مل گیا اس کا بھی۔'' خان نے بتایا۔

''قبلہ ثبوت تو انا للہ وانا الیہ راجعون کر گیا۔ اب اس کے ملنے نہ ملنے سے فائدہ؟'' بالے نے پوچھا۔

''یہ تم ابھی نہ سمجھ سکو گے۔ شہر سے اس کی گمشدگی کی اطلاع ملتے ہی میں سمجھ گیا تھا کہ کہیں نہ کہیں اس سے ملاقات ہونے والی ہے۔''

''اور ہوئی تو اس طرح کہ بیچارہ اپنا تعارف بھی نہ کرا سکا۔''

''آنے والے تین سایوں میں ایک یہ بھی تھا، مگر اسے شاید خبر نہ رہی ہوگی کہ اس کے ساتھ کیا کیا جانے والا ہے۔''

''خیر ہو تو خبر ہو گئی بیچارے کو۔''

''ہم اگر اس کی ہدایت کے مطابق واقعی اس مکان میں ٹھہر گئے ہوتے تو اس خون کا الزام ہمارے سر لگتا۔'' خان نے دروازے کی طرف دیکھ کر ٹہلتے ہوئے کہا۔

ابراہیم جلد ہی لوٹ آیا۔ اس کے ساتھ ایک سب انسپکٹر اور چار سپاہی تھے۔ سب انسپکٹر اگرچہ خان کو پہچانتا نہ تھا، لیکن اس کے رعبیلے چہرے اور اندازِ کلام سے ہی وہ سمجھ گیا کہ وہ بڑا آفیسر ہے اور ابراہیم نے بھی اسے صرف اتنا ہی بتایا تھا۔ وہ خان کے سامنے اٹینشن ہو گیا۔

''یہ لاش یہاں سے اٹھوا کر شہر پہنچوا دیجیے۔ اور ہاں، کیا آپ اس آدمی کو جانتے ہیں؟'' خان نے مقتول کی طرف اشارہ کر کے اس سے پوچھا۔ جس پر وہ ٹارچ کی روشنی میں جھک کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ پھر اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

''خیر، سر دست آپ صرف اس لاش کے پائے جانے کی رپورٹ دیجیے، ہم لوگوں کا کوئی ذکر نہ کیجیے گا اس رپورٹ میں۔'' خان نے اسے ہدایت کی۔

''بہتر ہے۔''

Akram Allahabadi

''اور مجھے ایک جیپ کار چاہیے، چند گھنٹوں کے واسطے۔''

''میرے پاس تو صرف ایک ہی ہے، صاحب۔ آپ چاہیں تو اسی کو لے جائیں۔'' انسپکٹر نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

آپ اپنا ڈرائیور بھی بھیج دیجیے تا کہ وہ ہم لوگوں کو ہماری منزل مقصود تک پہنچا کر لوٹ آئے۔'' خان بولا۔

''ابھی؟'' انسپکٹر نے پوچھا۔

''ہاں، ممکن ہے ہم کہیں راستے میں ہی ان کو پا جائیں۔''

''ڈرائیور۔'' سب انسپکٹر نے اپنے آدمیوں میں سے ایک کو اشارہ کیا۔ ''تم جاؤ صاحب کے ساتھ۔''

''بالے، تم فرش پر دھول میں بنے ہوئے فٹ پرنٹس کو ایکسپوزر سے ابھار کر فوٹو لے لو، میں باہر انتظار کر رہا ہوں۔'' یہ کہہ کر خان باہر نکل آیا۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

موت کی پکار

صبح سویرے قصبے والوں کو کسی طرح یہ معلوم ہوگیا کہ رات اس آسیبی عمارت میں پھر ایک موت وقع ہوئی ہے اور لاش پولیس لے گئی۔ان میں اس خبر سے دہشت سی پھیل گئی۔ اس واردات کے علاوہ ان کیلیے وہ دو شکاری بھی کم پراسرار نہ تھے جو صبح ہونے سے پہلے ہی غائب پائے گئے تھے۔جو جھونپڑا انھوں نے کرائے پر لیا تھا۔اس کا پچھلا دروازہ کھلا پایا گیا تھا، لیکن دیہاتی سادہ لوح باشندے ان اسرار و رموز کو کیا سمجھتے، وہ انھیں طرح طرح کے وہم پرستانہ روایتی رنگ دے کر خاموش ہوگئے۔

خان، بالے، رؤف اور ابراہیم کو لے جانے والی جیپ کار صبح ہونے سے پہلے ہی پولیس اسٹیشن لوٹ آئی تھی۔لیکن ڈرائیور نے کسی کو یہ نہ بتایا تھا کہ وہ کہاں تک لے جائے گئے تھے۔

صبح ہو رہی تھی جب خان اور اس کے ساتھیوں کو اس نے حسبِ ہدایت مالنگا کے تاریخی چھتر مندر کے اطراف میں پھیلی ہوئی پرانی آبادی کے کھنڈروں کے مشرقی کنارے پر چھوڑا تھا۔یہاں سے آگے گاڑی جا بھی نہ سکتی تھی، کیونکہ راستہ ناہموار اور چٹانوں سے بھرپور تھا۔خان، بالے، رؤف اور ابراہیم شب بیداری اور تھکن کی وجہ سے اس وقت آرام کے خواہاں تھے، اس لیے سردست وہ کہیں کچھ دیر آرام کرنا چاہتے تھے۔پولیس کی گاڑی اس لیے دور ہی سے واپس کر دی گئی تھی کہ کسی کو ان کے اجنبی ہونے پر شبہ نہ ہو۔یہاں بھیانک ویرانی دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔

"آخر یہ ہم امریکی فلموں کے مہمات پسند کرداروں کی طرح کب تک شہر سے دور ان ویرانوں میں بھٹکتے رہیں گے؟" بالے نے ایک جگہ اکتا کر سوال کیا۔

Akram Allahabadi

''میں نے خود بھی اس چھتر مندر کے بارے میں ایک یاتری سے عجیب وغریب روایات سنی تھیں۔ میں اسے دیکھنا چاہتا ہوں۔'' خان نے بتایا۔

''لیکن آپ تو اس سونے کے تخت کی چوری کا سراغ لگانے نکلے ہیں۔''

''یہ سلسلے بظاہر غیر مربوط ہوتے ہوئے بھی کسی حد تک متعلق معلوم ہو رہے ہیں۔''

''سندباد بدنصیب بھی ایسے ہی خشک سفر کیا کرتا تھا۔'' بالے نے ایک لمبی سرد آہ کھینچ کر کہا۔ ''ہائے، وہ سور کی بچی۔''

''شاید اپنی محبوبہ کو یاد کر رہے ہو۔'' رؤف بیچ میں بول اٹھا۔

''میں اس منحوس گھڑی کو یاد کر رہا ہوں جب اس خوشگوار سفر پر ہم روانہ ہوئے تھے۔ بالے رؤف سے گفتگو کرنے لگا۔ خان خاموشی سے کچھ سوچتا چل رہا تھا۔ انھوں نے اپنی ٹوٹک اور بندوقیں ہاتھ میں لے رکھی تھیں۔

اتفاق سے اس وقت بالے کا بندر کا بچہ جس کو بالے اب بھی اپنے ساتھ لایا تھا، کود کر رؤف کے کندھے پر چلا گیا اور اس وقت تو خان بھی اپنی ہنسی نہ روک سکا جب اس نے عین بے تکلفی سے رؤف کی ایک مونچھ پر ہاتھ ڈال کر اسے جھٹکا دیا۔

''ابے بندر۔'' رؤف نے اس کی گردن دبالی۔ وہ اس کی مونچھ چھوڑ کر منہ پھیلا کر چیخنے لگا۔

''چچ چچ... ایک بند کے بچے پر بہادری کا اظہار۔'' بالے نے رؤف کو غیرت دلائی۔

''سنبھالو اپنی اس جنگلی اولاد کو، ورنہ میں اس کا گلا دبا دوں گا۔''

''کم آن ڈالرلنگ پپی، کسی شریف آدمی کی مونچھیں نوچنا بری بات ہے۔'' بالے نے بندر کے بچے کو گھسیٹ کر پھر اپنے کندھے پر بٹھا لیا۔ ابراہیم اپنا منہ دبا کر ہنسنے لگا۔ رؤف کو اور غصہ آ گیا۔

Akram Allahabadi

"او بھائی تا بھتیجے، تمہیں بھی ساون لگے ہیں کیا۔" رؤف نے اس کی طرف گھوم کر کہا۔

"مم ... میں تو.." ابراہیم نے ہنسی روکنی چاہی، لیکن خان کو پلٹتے دیکھ کر وہ دونوں خاموش ہو گئے۔

"چپی ڈیئر، میں واپسی پر تمہیں بھی بھرتی کرا دوں گا۔" بالے نے جیب سے چاکلیٹ نکال کر بندر کے بچے کو دیتے ہوئے کہا۔

"ہمیں یہیں کہیں ٹھہرنا چاہیے۔" خان نے بالے سے کہا۔

"وہ کیوں؟" بالے نے پلکیں جھپکاتے ہوئے بولا۔

"کسی کا انتظار کرنا ہے۔" خان نے مختصر سا جواب دیا۔

"کیا اس علاقے میں کوئی جنسِ لطیف بھی ہوگی؟" بالے نے پوچھا۔

"بھیڑ بکریاں یہاں کی خاص پیداوار معلوم ہوتی ہیں۔" خان نے چلتے ہوئے جواب دیا۔

"میں حوا کی بیٹی کا ذکرِ خیر کر رہا ہوں۔"

"ایسی کیا ضرورت پیش آ گئی۔" رؤف نے آہستہ سے سوال کیا۔

"میرا جذبۂ عشق آٹھ آٹھ سو تولہ آنسو رو رہا ہے آج کل۔"

"یہ تمہارا ترقی پسند سماج نہیں ہے، یہاں کی عورتیں جوتوں سے بات کریں گی۔" خان نے ادھر ادھر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"میں نے جوتوں کو گفتگو کرتے کبھی نہیں دیکھا۔"

"وہ کوئی گڈریا اپنی ایوڑ لیے جا رہا ہے۔" رؤف نے غور سے ایک میدان کی طرف دیکھتے ہوئے خان کی توجہ دلائی۔

"تم میں سے ایک آدمی جا کر معلوم کرو کہ کیا کوئی نیا آدمی ادھر سے گیا ہے۔" خان

نے کچھ سوچ کر کہا۔

''نیا آدمی؟'' بالے نے پوچھا۔اور رؤف گڈریے کی طرف چل دیا تھا۔

''ہاں، جس کا ہمیں انتظار ہے۔''

''آپ کچھ صیغۂ راز میں رکھے ہوئے ہیں۔''

''وہ زمیندار اپنی حویلی سے فرار ہو چکا ہے اور ممکن ہے کہ یہیں اس سے ملاقات ہو۔''

''تب تو وہ نازک اندام ہری مرچ بھی اس کے ساتھ ہوگی۔''

''نیشی؟ ہاں ممکن ہے۔''

''تھینک یو مائی گاڈ۔'' بالے آسمان کو گھورتے ہوئے بولا۔

''مگر آپ نے یہ کیسے اندازہ لگا لیا کہ وہ یہیں آئے گا۔''

''علمِ نجوم سے۔''

''تو پھر میری قسمت کا حال بھی بتایئے۔''

''جنم بھر جھک مارتے رہو گے۔'' یہ سنتے ہی بالے کا سا منہ بنا کر رہ گیا۔

''زمیندار کے کمرے کی میں نے تلاشی لی تھی اور اس کے پیڈ پر مجھے خفیف سے نشانات نظر آئے تھے جو اس کے اوپر کے صفحے پر لکھی گئی تھی تحریر کے دباؤ سے پڑے ہونگے۔ میں نے ان پر پنسل پھیر کر ہی معلوم کر لیا تھا کہ وہ کوئی نقشہ ہے۔'' خان نے بتایا۔

خزانے کا؟''

''نہیں، اسی راستے کا، یہ دیکھو۔'' خان نے جیب سے ایک کاغذ نکال کر بالے کی طرف بڑھا دیا۔یہ چند ٹیڑھی میڑھی سی لکیروں کا ایک خاکہ تھا جس میں خشک ندی کے بعد ایک گول نشان بنا تھا اور اس پر انگریزی میں.....لکھا تھا۔

''اس سے یہ واضح تو نہیں ہوتا کہ وہ یہاں سے گزرا ہی ہوگا۔''

''اس کیلیے اور کوئی محفوظ راستہ نہیں ہے۔'' خان نے بتایا۔

''پھر بھی یہ کیسے سمجھ لیا جائے کہ اس نے یہ نقشہ اپنے ہی پروگرام کیلیے بنایا تھا۔''

''غالباً یہ ہدایات ان آدمیوں کو بھیجی گئی ہونگی جنہوں نے سپرنٹنڈنٹ کا خاتمہ کیا ہے، تاکہ وہ اس سے یہاں آ کر ملیں۔''

''تو آپ کے خیال میں یہ پراسرار سلسلہ اب ویرانوں میں بھٹکے گا۔''

''یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ رؤف کے آنے پر شاید معلوم ہو سکے۔ ویسے ابھی تو ہم خود اس زمیندار کیلیے کوئی فیصلہ کن نظریہ نہیں قائم کر سکے۔'' خان نے کہا۔

پھر وہ لوگ ایک برگد کے درخت کے سائے میں ستانے کیلیے بیٹھ گئے اور رؤف کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

''یہ الٹا سیدھا کیس اپنی سمجھ میں نہیں آ رہا ہے۔'' اس نے بیٹھے بیٹھے خان کو پھر چھیڑا۔

''ابھی تک تو سیدھا ہی سیدھا ہے۔ تخت کی گمشدگی، انسپکٹر میگی کا خون اور اسی راستے کسی چیز کے زمیندار کے گھر کی طرف اٹھا کر لائے جانے کا سراغ۔ پھر وہ دھماکہ اور سپرنٹنڈنٹ کا خون۔ کیا یہ ایک سلسلے کی کڑیاں نہیں معلوم ہوتیں۔'' خان نے یہ کہہ کر بالے کی طرف دیکھا۔

''تو گویا وہ ہماری شخصیت سے واقف ہو گیا تھا۔''

''اسے شبہ ضرور ہو گیا ہو گا۔''

''مگر وہ تخت آخر گیا کون سی جہنم میں۔''

''وہ اسی طرف کہیں لایا گیا ہے۔ ایسی چیز با آسانی کسی آبادی میں محفوظ نہیں رکھی جا سکتی۔'' خان نے اظہارِ خیال کیا۔

''ابھی وہ گفتگو کر ہی رہے تھے کہ رؤف واپس آ پہنچا۔ اس کے چہرے پر حیرت و

تذبذب کے آثار تھے۔

''کیا بات ہے؟'' خان نے اس کے قریب آتے ہی پوچھا۔

''صاحب، گڈریے کے بیان کے مطابق ایک مرد اور ایک عورت گھوڑوں پر سوار ہو کر صبح سویرے ہی ادھر سے گزرے ہیں۔'' رؤف نے بتایا۔

''ایک مرد اور ایک عورت۔'' خان نے دہرایا۔

''خدا اس ایک مرد کو جنت نصیب کرے، وہ ایک عورت نیشی ہی رہی ہوگی۔'' بالے بول اٹھا۔

''اوہ۔'' خان مٹھیاں بھینچ کر بڑبڑایا۔ ''ہم نے تو سوچا بھی نہ تھا کہ وہ اس ناہموار علاقے کے سفر کیلیے گھوڑے بھی استعمال کر سکتے ہیں۔''

''کاش ہمیں کچھ گدھے ہی مل جاتے۔''

''تمہارے ہوتے ہوئے ان کی بھی ضرورت نہیں۔'' خان نے بالے کی بات کاٹ دی۔ پھر وہ رؤف کی طرف مخاطب ہوا۔

''وہ دونوں کس طرف گئے تھے؟'' خان نے پوچھا۔

''گڈریے نے انھیں گھاس کے اس میدان کے اس پار تک جاتے دیکھا تھا۔'' رؤف نے بتایا۔

''تو ہمیں یہاں آرام کرنے کی بجائے انھیں تلاش کرنا چاہیے۔'' خان یہ کہہ کر پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''آپ ہم سب کے گلے میں آرام حرام ہے کی ایک ایک تختی ڈال دیجیے۔'' بالے نے وہیں دھرنا دے کر بیٹھتے ہوئے کہا۔

''مجھے یہ لونڈیوں جیسے نخرے پسند نہیں، بالے۔'' خان نے اسے سنجیدہ موڈ میں ڈانٹا۔

Akram Allahabadi

''میں اس بھونڈی تمثیل کے خلاف زبردست احتجاج کرتا ہوں۔'' بالے نے کھڑے ہوئے ہوئے منہ بنا کر کہا۔

''ابے احتجاج کی دُم۔'' خان نے ایک پنجے سے اس کی گردن داب لی اور اسے آگے کی طرف دھکیلنے لگا۔

''یا خدا، بالے صاحب کی مغفرت کرنا۔'' بالے دعائیں مانگتا ہوا ساتھ ہولیا۔

انھیں اس ویران علاقے میں بھٹکتے ہوئے شام ہوگئی۔ انھوں نے جھاڑیاں تک چھان ماریں۔ کوئی غار، کوئی درّہ ایسا نہ بچا جہاں انھیں تلاش نہ کیا گیا ہو۔ وائرلیس کمیونیکٹر پر خان نے رام گڈھ پولیس کو بھی خبر کر دی تھی کہ کہ چوکیوں پر نگرانی رکھی جائے اور اس حلیے کا ایک مرد اور ایک عورت جہاں نظر آئے زیرِ حراست لے لیا جائے۔ رام گڈھ راجہ مندری سے تقریباً ۱۰۰ میل کے فاصلے پر اس کا ایک ضلع تھا جہاں پولیس کی کافی تعداد رہتی تھی اور مالنگا کے ویران علاقے رام گڈھ اور راجہ مندری کے درمیان پڑتے تھے۔ زمیندار کے پیغام میں جو گول نشان تھا، وہ نقشہ نویسی کے اصول کے مطابق یا تو کسی بستی کا ہو سکتا تھا یا پھر کسی کنوئیں کا۔ خان کا یہی خیال تھا کہ وہ کہیں درمیان میں ہی کسی جگہ موجود ہوگا۔

شام ہونے والی تھی۔ سورج مغربی پہاڑیوں کی اوٹ میں چھپ رہا تھا۔ اس وقت بالے ایک ٹیلے پر چڑھ کر چیخنے لگا۔

''واسکوڈی گاما نے امریکہ دریافت کرلیا۔ واسکوڈی گاما نے...''

''کولمبس نے۔'' خان نے اس کی بات کاٹ دی۔

''کوئی بات نہیں، دونوں ہم پیشہ تھے۔'' بالے نے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

''بات کیا ہے؟'' رؤف بھی قریب آ گیا۔

''کوئی بستی ہے۔'' خان نے بالے کی بتائی ہوئی سمت میں اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''آپ تو اس طرح فرما رہے ہیں، جیسے آپ کو کسی بستی کی تلاش ہی نہیں تھی۔'' بالے نے کہا۔

''چلو جلدی چلیں، ورنہ وہاں تک پہنچتے پہنچتے رات ہو جائے گی۔'' خان نے ٹیلے سے دوسری طرف اترتے ہوئے کہا۔

''ڈارلنگ پپی۔'' بالے نے اپنے بندر کے بچے کو چمکارا۔ ''تم نے بھی کسی سے عشق کیا ہے؟''

''خیں...خپ...'' بندر کے بچے نے سر پر ہاتھ پڑتے ہی دانت نکال دیے۔

''بھئی ہمیں یہ جاپانی مکالمے پسند نہیں۔'' بالے نے اس کی گردن تھام کر اسے پھر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

''یہ چلتے چلتے حضرتِ عشق کہاں یاد آ گئے تمہیں؟'' رؤف نے پیچھے سے پوچھا۔

''میں دراصل لیلیٰ مجنوں کے فلسفے پر غور کر رہا تھا۔'' بالے نے معصومیت سے بتایا۔

''وہ بھی کوئی فلسفہ ہے؟'' رؤف نے پوچھا۔

''ارے واہ، یوں تو تم صوفیوں کے قدم چاٹتے پھرتے ہو اور اتنے بڑے فلسفے کی خبر نہیں تمہیں۔''

''خیر تم ہی بتا دو۔''

''میرے خیال میں بقول چچا ڈارون، قیس کسی بندر کی نسل سے رہا ہوگا۔'' بالے نے کہا۔

''وہ کیسے؟'' رؤف نے مسکرا کر سوال کیا۔

''ورنہ وہ شہر چھوڑ کر جنگل کی طرف کیوں بھاگتا۔''

''لاحول ولاقوۃ۔'' رؤف نے برا سا منہ بنایا۔ ''کیا فلسفہ ہے آپ کا۔''

''میں اس فلسفے پر ایک کتاب لکھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔''

Akram Allahabadi

"ضرور لکھو۔"

"میرے خیال میں قبر سے نکال کر اگر قیس کے ڈھانچے کی ریسرچ کی جائے تو اس میں دُم کی ہڈی ہی ملے گی۔"

"کیا بکواس لگا رکھی ہے یہ، تیز چلو۔" خان نے بالے کی بات کاٹ دی اور ابراہیم ہنسی روکنے کیلیے اپنا منہ بند کر کے رہ گیا۔

"خان صاحب کو بھی قیس سے کچھ ہمدردی معلوم ہوتی ہے۔" بالے نے آہستہ سے رؤف کے کان میں کہا۔ جس پر وہ منہ پھیر کر ہنسنے لگا۔ خان پلٹ کر بالے کو گھورنے لگا۔

"مم... میں کہہ رہا تھا کہ خان صاحب اس عمر میں بھی کتنے تندرست ہیں۔"

"دکھاؤں تمہیں تندرستی؟" خان نے اس کی گردن تھام لی۔ "کام کے وقت ہی مسخرا پن سوجھتا ہے۔"

"مان لیا آپ سینڈو ہیں، مگر میری گردن..." بالے اس کی گرفت س چھوٹنے کی کوشش کرنے لگا۔

"بس اب ایک لفظ نہ بولنا۔"

"ہا آہہنہ ...اہنہہ...اہنہہ ...اوہ... واہ..." بالے منہ سے عجیب عجیب آوازیں نکالنے لگا۔

"بڑے بے غیرت ہو۔" خان نے آخر جھنجلا کر اس کی گردن چھوڑ دی۔

"آپ نے ہی تو کہا تھا کہ ایک لفظ نہ سنوں۔"

"یہ اپنے آبا و اجداد کی زبان بول رہے تھے۔" رؤف نے پیچھے سے لقمہ دیا۔

"ارے واہ، یہ تو وہی مثال ہوئی کہ آ بیل مجھے مار۔"

"تو آپ بیل ہیں؟"

"ابھی چونچ بند نہیں ہوئی تمہاری؟" خان نے پھر ڈانٹ پلائی۔

Akram Allahabadi

''جی، میں نہیں، یہ بھائی حرام مونچھ کچھ فرما رہے ہیں۔''

رؤف کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن خان کا موڈ بگڑتا دیکھ کر دونوں خاموش ہو گئے۔ اس بستی کے قریب پہنچتے پہنچتے رفتہ رفتہ حدِ نظر تک پھیلے ہوئے ناہموار میدانوں اور پہاڑی ٹیلوں پر شام کا اندھیرا چھانے لگا۔ بستی میں لاتعداد جھونپڑے سر اٹھائے کھڑے، دھندلے دھندلے نظر آ رہے تھے۔ اب ان سے صرف سو دو سو گز کے فاصلے پر تھی۔ یہ بستی جنگلی بستیوں کی طرح گھاس پھوس کے جھونپڑوں پر مشتمل تھی۔ کہیں کہیں دو ایک کچھے مکان بھی تھے، لیکن ان کی چھتیں بھی گھاس سے پٹی ہوئی تھیں۔ اس کے بیچ و بیچ میں ایک بڑا سا میدان تھا جو کٹورے کی شکل کا گول تھا۔ مکانوں کے پیچھے شاید جانوروں کی ریوڑ کیلیے علیٰحدہ علیٰحدہ احاطے بنے ہوئے تھے، جس کے گرد موٹی مضبوط لکڑی کی قدِ آدم دیواریں کھڑی کی گئی تھیں۔ ان کے اندر سے بھیڑ بکریوں اور بھینسوں کی ملی جلی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔ جھونپڑوں میں شاید چراغ روشن ہو چکے تھے اور بہت سے لوگ جھونپڑوں سے نکل کر میدان میں جمع ہو رہے تھے۔ وہ گڈریے ہی معلوم ہوتے تھے اور بستی بھی گڈریوں کی ہی تھی۔

''بالے، تم لنگڑے بن جاؤ۔'' خان نے کچھ سوچ کر بالے سے کہا۔

''لنگڑا... یعنی میں؟''

''ہاں، جو کہہ رہا ہوں، بس وہ کرو، سمجھ لو تمہارے پیر میں موچ آ گئی ہے۔'' خان نے معنی خیز انداز میں کہا۔

''بہتر ہے، سمجھ لیا۔'' بالے منہ بنا کر بولا۔

''جب وہ چاروں شکاریوں کی طرح اس بستی میں داخل ہوئے تو لوگ چونک کر انھیں دیکھنے لگے۔ وہ سب خاموش اور فکر مند نظر آ رہے تھے، جیسے ان کی بستی میں کوئی المناک واقعہ ہو گیا ہو، جیسے وہ کسی آنے والی مصیبت کیلیے متفکر ہوں۔ بالے تکلیف دہ شکل بنا کے لنگڑا کر چل رہا تھا۔ رؤف اسے سہارا دیے ہوئے تھا۔

Akram Allahabadi

''ہم یہاں آج کی شب گزارنا چاہتے ہیں۔'' خان ان میں سے ایک آدمی سے مخاطب ہوکر بولا۔ جس پر اس نے کوئی جواب دینے کی بجائے ایک بڑے ادھ کچے جھونپڑے کی طرف اشارہ کیا۔

شہری اصطلاح میں اسے جھوپڑا ہی کہا جاسکتا ہے، ویسے شاید اس بستی کیلیے یہ ایک شاندار مکان ہو۔ وہ جب اس مکان کے قریب پہنچنے لگے تو اندر سے ایک قوی ہیکل آدمی باہر نکل آیا۔ اس کے پیچھے دونوں جوان آدمی اور تھے جو ہاتھوں میں لاٹھیاں لیے ہوئے تھے۔

''کون ہو تم؟'' اس قوی ہیکل آدمی نے خان سے سوال کیا۔ سب سے آگے وہی تھا۔

''ہم لوگ شکاری ہیں۔ ہمارے ایک ساتھی کے پیر میں موچ آگئی ہے، اس لیے رات یہاں گزارنا چاہتے ہیں۔'' خان نے کہا۔

''آج کی رات...؟ یہاں ...؟'' وہ آدمی سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے چہرے کی کیفیتیں غماز تھیں کہ وہ کسی الجھن میں ہے۔

''کیوں کیا کوئی ہرج ہے؟'' خان نے اس سے پھر سوال کیا۔

''آج...آج کی رات یہاں کوئی نہیں ٹھہرا کرتا۔''

''کیا مطلب ہے؟''

''کیا تمہیں ہمارے چہروں پر خوشی یا اطمینان کی جھلک نظر آرہی ہے۔'' اس نے خود خان سے سوال کیا۔

''یہ تو میں بھی دیکھ رہا ہوں۔''

''تو پھر کیا تم بھی موت کے انتظار میں ہمارے شریک ہونا چاہتے ہو؟'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا۔

''تو کیا آپ لوگ موت کا انتظار کر رہے ہیں؟'' بالے پیچھے سے پوچھ بیٹھا۔

Akram Allahabadi

''آج کی رات۔'' وہ ٹھنڈی سانس سانس بھر کر بولا۔ ''کوئی نہیں جانتا کس کی موت آنے والی ہے، مگر آئے گی ضرور۔''

''یہ الف لیلیٰ کی رات معلوم ہوتی ہے۔'' بالے پھر بول پڑا۔

''کیا ہم کہیں بیٹھ کر گفتگو نہیں کر سکتے؟'' خان نے اس آدمی سے کہا۔ اس پر وہ اس طرح چونک پڑا، جیسے کچھ بھول گیا ہو۔

''اوہاں، معاف کرنا، آؤ آؤ، اندر آ جاؤ۔''

وہ پلٹ کر اسی مکان میں داخل ہو گیا۔ اس کے پیچھے محتاط انداز میں خان، بالے اور رؤف بھی اندر چلے گئے۔ صرف ابراہیم باہر رہ گیا۔ وہ باہر کھڑا اس ماحول کا جائزہ لے رہا تھا، جہاں جھونپڑوں کے درمیان اور میدان میں چلتے پھرتے انسان زندہ لاشوں کی طرح نظر آ رہے تھے نہ وہ آپس میں گفتگو کرتے تھے، نہ ہنسی مذاق۔ ان کے چہرے لٹکے ہوئے اور نقل و حرکت مایوسانہ تھی۔ میدان کے ایک سرے پر ایک دوسرے بڑے جھونپڑے کے پاس آگ کا ایک الاؤ دہک رہا تھا جس کے گرد بہت سی عورتیں اور بچے جمع تھے، لیکن وہ بھی سہمے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

☆☆☆☆☆☆

Akram Allahabadi

مہیب آواز

خان، بالے اور رؤف کو ایک گدے دار فرش پر بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے وہ آدمی بھی ان کے سامنے بیٹھ گیا۔ باقی دو اس کے ساتھی مؤدب انداز میں پیچھے بیٹھے تھے۔

یہاں چائے تو اس وقت شاید نہ مل سکے، آپ کہیں تو بنوا دوں؟'' اس نے اخلاقاً خان سے کہا۔

''کوئی ایسی...'' خان کہنا چاہ رہا تھا کہ بالے بیچ میں بول پڑا۔

''کوئی ایسی نیکی ہمارے ساتھ کرے تو ہم شکریہ ادا کریں گے۔''

خان اس کے اس جملے پر ہنس پڑا۔ اس نے اپنے ایک ساتھی کو اشارہ کیا اور پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔

''میں... میں اس بدنصیب بستی کا مکھیا ہوں۔ میرا نام سکندر ہے، اس بستی کو دیوگڑھ کہتے ہیں۔'' اس نے کہنا شروع کیا۔

''کیا بستیاں بھی خوش نصیب، بد نصیب ہوا کرتی ہیں؟'' رؤف نے بالے سے پوچھا۔

''ارے بھئی، سنتے جاؤ، قصۂ ہزار داستان معلوم ہوتا ہے۔'' بالے آہستہ سے بولا۔ لیکن خان سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ تھا۔

''دور کے لوگ ہمارا مذاق اڑاتے ہیں، لیکن یہ حقیقت ہے کہ مہینے کی ایک رات جب چاند کی ۲۷۔۲۸ تاریخ ہوتی ہے اور آسمان پر گہرا اندھیرا رہتا ہے، اس بستی میں کچھ واقعات ایسے ہوتے ہیں جنہیں عقل تسلیم نہیں کرتی، مگر آنکھوں کو تسلیم کرنا پڑتا ہے۔'' دیوگڑھ کے مکھیا نے سنجیدہ اور فکرمند لہجے میں بتانا شروع کیا۔ وہ خود بھی اس روایت کو بیان کرتے وقت

کسی قدر سہما ہوا تھا۔خان اس کے بیان کو سنجیدگی سے سن رہا تھا،لیکن بالے بار بار ایسا منہ بناتا کہ رؤف کو ہنسی ضبط کرنی پڑتی ۔بندر کا بچہ اس وقت بھی بالے کے ساتھ تھا۔انھوں نے دانستہ اپنی اس قت کی حیثیت کو برقرار رکھا تھا جو زمیندار کے سامنے انھوں نے اپنائی تھی ۔

''کیا ہوتا ہے اس رات کو؟'' بالے پوچھ بیٹھا۔

''ان کھنڈروں کے پیچھے اس پار چھتر مندر سے اس رات ایک بہت بھیانک آواز سنائی دیتی ہے، بہت بھیانک آواز۔لوگ اسے موت کی آواز کہتے ہیں اور اس رات...'' کہتے کہتے وہ لرز کر بستی کے پیچھے دور نظر آنے والے کسی بہت پرانی آبادی کے کھنڈرات کی طرف دیکھنے لگا جو اس کی کھڑکی سے باہر اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے ۔

اب بالے بھی اس کی طرف سنجیدگی سے متوجہ ہو چکا تھا۔تمام لوگ خاموشی اور دلچسپی سے اس بیان کو سن رہے تھے ۔

''اس رات ہم میں سے کسی کی موت ضرور آتی ہے ۔''

''وہ کس طرح؟'' خان نے جیب سے سگریٹ نکال کر جلاتے ہوئے پوچھا۔

''پیدل آتی ہوگی ۔'' بالے آہستہ سے رؤف سے بولا۔رؤف مسکرا کر رہ گیا۔

''صبح تک کوئی نہیں جانتا کہ ہم میں سے ایک کم ہو گیا ہے،لیکن صبح معلوم ہوتا ہے کہ ہم میں سے ایک آدمی کم ہے اور پھر وہ کہیں نہیں ملتا ۔''

''یعنی کہ غائب ہو جاتا ہے گویا؟'' بالے نے پھر سوال کیا۔

''ہاں ۔''

''پھر آپ کیا کرتے ہیں؟''

''ہم کچھ بھی تو نہیں کر سکتے ۔پچھلے مہینے ایک سادھو آیا تھا۔وہ کہتا تھا کہ چھتر مندر میں اس نے ایک بار خود اپنی آنکھوں سے پرانتی کے بڑے بت کو روتے دیکھا ہے ۔خدا جانے کیا سرار ہیں اس مندر کے ۔''

Akram Allahabadi

''ایسا کب سے ہوتا رہا ہے؟'' خان نے پوچھا۔

''اب تک اس بستی کے چھ آدمی لاپتہ ہو چکے ہیں۔''

''آپ لوگوں نے انھیں کہاں تک تلاش کیا؟''

''ہم نے رام گڑھ پولیس کو خبر کی اور دن کے وقت ان کھنڈروں اور مندر میں بھی تلاش کیا، لیکن ان آدمیوں کا آج تک کہیں پتہ نہیں چلا۔

''پہلا واقعہ کب اور کس طرح ہوا تھا؟''

''دراصل مندر کے اس پار بھی کوئی دو تین میل پر ایک بستی گڈریوں کی اور ہے۔ بہت عرصہ ہوا جب وہاں سے کچھ گڈریے بھاگ کر یہاں آ گئے تھے۔انھوں نے ہمیں بتایا کہ مندر کے طرف سے چند مہینوں سے کبھی کبھی ایک بڑی بھیانک آواز سنائی دیتی ہے اور جب ایسا ہوتا ہے تب ہی بستی کا ایک آدمی لاپتہ ہو جاتا ہے۔ہم نے اس وقت ان کی اس کہانی پر یقین تو نہیں کیا، لیکن انھیں اپنے یہاں پناہ دے دی، مگر اس کے ایک مہینے بعد ہی اچانک وہی مہیب آواز ہمیں بھی سنائی دی۔ہم میں سے بہت سے لوگ خوف سے چونک کر اٹھ بیٹھے۔ان گڈریوں نے ہمیں بتایا کہ یہ وہی موت کی آواز ہے اور اسی دن صبح ہم میں سے بھی ایک آدمی غائب پایا گیا۔'' وہ کہتے کہتے سانس لینے کیلیے رک گیا۔

''آہ...'' بالے نے ایک کراہ لی اور سب چونک پڑے۔

''کچھ نہیں، پیر میں مونچھ آ گئی ہے نا، اسی کا درد ہے۔'' وہ ان کی طرف دیکھ کر بولا۔

''مونچھ؟'' مکھیا نے اس کی طرف دیکھ کر دہرایا۔

''یہ موچ کو مونچھ ہی کہتے ہیں۔'' خان نے بات بنا دی۔رؤف پہلو بدل لر رہ گیا۔ بالے کے لبوں پر مسکراہٹ آتے آتے رہ گئی۔کیونکہ خان اسے گھور رہا تھا۔[

''تو پھر آپ نے پولیس میں جا کر رپورٹ کی؟''

Akram Allahabadi

"جی ہاں ۔اور ساتھ میں خود بھی جا کر اس مندر کا کونہ کونہ چھان مارا، مگر کوئی نہیں ۔ وہ سالہا سال سے ویران اور بے مرمت پڑا ہے ۔"

"تو پھر یہ کیسے جان لیا کہ وہ آواز وہیں سے آتی ہے؟"

"بالکل اسی طرف سے معلوم ہوتی ہے، اس کے علاوہ اس سادھو نے ہمیں یہ بھی بتا دیا تھا کہ اس رات جب وہ اس مندر سے اس آواز کو سن کر ڈر کر بھاگا تھا، اس نے مندر کے اندر عجیب سی روشنی دیکھی تھی ۔وہ کہتا تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے تمام دیوتا جاگ اٹھے ہیں اور مندر میں گھومتے پھر رہے ہیں ۔ان کی شکلیں بھیانک اور عجیب عجیب سی تھیں ۔"

"پھر وہ سادھو کہاں گیا؟"

"وہ اسی دن یہاں سے چلا گیا تھا ۔"

"اوہ.." خان یہ کہہ کر کسی فکر میں گم ہو گیا ۔

"اس کے بعد ہم نے بے بس ہو کر یہ طریقہ اختیار کر رکھا ہے کہ اس رات اپنے مکان کو مضبوطی سے اندر سے بند کر کے تمام رات جاگتے ہیں ۔"

"اس سے فائدہ ہوا کچھ؟"

"قطعی نہیں، اس قدر احتیاط کے باوجود ہر اس رات کو جب وہ موت کی بھیانک پکار سنائی دیتی ہے، ہم میں سے کوئی نہ کوئی ضرور غائب ہو جاتا ہے ۔"

"تو آپ لوگ اس مقام کو چھوڑ کیوں نہیں دیتے؟"

"یہ ہم سب کیلیے خودکشی کے برابر ہوگا ۔اور کہیں ایسی چراگاہیں ہمیں نہیں ملیں گی جہاں ہم اپنے جانور پال سکیں اور یہی جانور ہماری روزی کا سہارا ہیں ۔"

"خیر، آج کی رات ہم لوگ آپ کے ساتھ ہیں ۔گھبرایئے نہیں، کچھ نہ کچھ ہو کر ہی رہے گا ۔" خان نے اسے اطمینان دلایا ۔

"یہاں صرف آپ ہی لوگ ہیں یا کوئی باہر کے آدمی بھی رہتے ہیں؟" بالے نے

Akram Allahabadi

برموقع سوال کیا۔

"باہر کے؟ نہیں تو ،ہاں آج البتہ ایک مرد اور ایک جوان سی لڑکی یہاں آ کر ٹھہرے ہیں ۔ہم نے انھی بھی بہت سمجھانے کی کوشش کی کہ وہ اس مصیبت میں نہ پڑیں، مگر وہ تو سرے سے ہماری باتوں کا یقین ہی نہیں کرتے ۔" سکندر نے صاف اور سادہ لہجے میں بتایا۔

"کہاں ٹھہرے ہیں وہ لوگ؟"

"شمالی سرے پر جو بڑا امکان ہے، اسی میں ۔اور زندہ بچے تو شاید وہ صبح چلے جائیں گے یہاں سے۔" سکندر بولا۔

"زندہ بچے کیا مطلب؟"

"اس موت کی آواز کیلیے کیا معلوم کسے قربانی دینی پڑے ۔کون جانے ان میں سے ہی کوئی جائے ،یا ہم میں سے کوئی ۔"

"اچھا تو آپ کا بہت بہت شکریہ ۔آپ ہم لوگوں کے ٹھہرنے کا انتظام کرا دیجیے۔ ہم آج کی رات یہیں گزاریں گے ۔"

"ایسا ہے تو آپ اسی مکان میں قیام کیجیے میرے ساتھ ۔یہاں ہم سب رات گزار سکتے ہیں ۔"

"یونہی سہی ،لیکن میں اپنے دو آدمیوں کو بستی کے شمالی کنارے پر نگرانی کیلیے مقرر کیے دیتا ہوں تا کہ وہ دیکھیں کہ اس مہیب آواز کے بعد صبح تک وہ کون سی بلا آتی ہے جو کسی نہ کسی کو اٹھا لے جاتی ہے۔" خان نے کہا۔

"ابھی تک تو ہم میں سے کوئی اس بلا کو نہیں دیکھ سکا ہے ۔یا خدا جانے وہ کسی کو نظر ہی نہ آتی ہو۔" گڈریوں کے مکھیا نے معصومیت سے بتایا۔

"کوئی انوزیبل مین ہے سالا ۔" بالے پھر تبصرہ کیے بغیر نہ رہ سکا۔

"خیر، خدا نے چاہا تو ہم اس سے نپٹ لیں گے ۔" خان یہ کہہ کر بالے کی طرف

گھوما۔

''تم اور رؤف بستی کے شمالی سرے پر نگرانی کرو۔ ہم یہاں سب بیداری کریں گے۔'' خان نے اس سے کہا۔ سکندر چونک پڑا۔

''نگران کے تو پاؤں میں تو موچ...'' اس نے کہنا چاہا۔

''اب ٹھیک ہوگئی ہے۔'' بالے نے خود ہی اسے جواب دے دیا۔ اور وہ کچھ نہ سمجھ کر خاموش ہوگیا۔

''کیا ہوا کی نگرانی کرنی ہوگی؟'' بالے نے پھر پوچھا۔

''اب کیا تم اتنے بیوقوف ہو۔'' خان جھنجلا گیا۔

''چڑھا دیا نا آپ نے سولی پر۔'' بالے بڑبڑاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ خان بھی کھڑا ہوگیا اور ان کے ساتھ دروازے تک آیا۔

''تمہاری وہ ہری مرچ بھی تو اسی طرف سرے والے مکان میں ٹھہری ہے، لیکن ان پر ظاہر نہ ہونے پائے کہ ان کی نگرانی کی جارہی ہے۔''

''آپ کے منہ میں گھی شکر۔ میں وہیں اپنی قبر بنواؤں گا۔''

''تم میں سے ایک اس آنے والی مصیبت کا انتظار کرے گا...''

''اور ایک مستقل مصیبت کا۔'' بالے نے خود ہی جملہ پورا کر دیا۔

خان انھیں ہدایتیں دے کر لوٹ آیا اور بالے اور رؤف بستی کے شمالی کونے کی طرف چل دیے۔ وہ یہ دیکھ کر کسی قدر حیران بھی ہوئے کہ اتنی دیر میں سارے میدان میں سناٹا چھا گیا تھا اور مشعلیں صرف دو تین جگہ روشن تھیں۔ البتہ مکانوں اور جھونپڑوں میں چراغ روشن تھے۔

''بھائی حرم مونچھ، کیا خیال ہے آپ کا؟''

''میرا خیال ہے کہ میں آپ کا سر توڑ دوں۔'' رؤف بگڑ گیا۔

Akram Allahabadi

''میں باکسنگ کا ماہر ہوں۔'' بالے نے گھونسہ دکھایا۔

''بیٹے، صرف ہاتھ رکھ دونگا تو چیں بولو گے۔'' رؤف نے یہ کہہ کر اپنا سینہ پھلا لیا۔

''بھوپال میں ایک صد آمیاں تھے، اللہ بخشے لڑنے سے پہلے ان کا مرغا بھی اسی طرح ڈنڈ پیلتا تھا۔''

''مجھے غصہ آرہا ہے۔''

''ہاں ہاں، باقی آئندہ۔'' بالے نے بات کاٹ دی۔

آہستہ لہجے میں گفتگو کرتے وہ آبادی کے سرے پر پہنچ گئے۔ بستی کے لوگ انھیں اپنے جھونپڑوں کی کھڑکیوں سے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔ یا تو وہ اس حرکت کو ان کی حماقت سمجھ رہے ہوں یا ممکن ہے کوئی غیر معمولی جرأت۔ بستی کے اس سرے پر جھونپڑوں کے پیچھے سے جنگلی جھاڑیاں شروع ہوگئی تھیں، جن کے بعد ناہموار میدان تھا اور اس کے بعد کھنڈرات۔ مکھیا کے جھونپڑے نما مکان کی طرح ایک اور جھونپڑا اس سرے پر بھی تھا جس کی کھڑکی سے روشنی نظر آرہی تھی۔

''لو رؤف بھائی، اب آدھا آدھا بانٹ لیں۔''

''مطلب؟''

''مطلب یہ کہ میں اس مکان کی نگرانی کرتا ہوں اور تم کسی جھاڑی میں چھپ کر آنے والی بلا کا انتظار کرو۔''

''واہ بیٹے سارجنٹ، میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو۔''

''باس کا حکم ہی ایسا ہے۔''

''میں جانتا ہوں کیوں ایسا ہے۔ خیر تم بھی کیا دکرو گے۔'' رؤف نے فراخدلی سے یہ خطرناک ڈیوٹی قبول کرلی۔

''تم کو ڈر معلوم ہو تو مجھے آواز دے لینا۔'' بالے نے اسے رخصت کرتے ہوئے

پھر اپنی پوری بہادری جتائی ۔جس پر رؤف مسکرا دیا۔

اس کے بعد وہ علیحدہ علیحدہ ہوگئے ۔بالے اس مکان کی دیوار کے سہارے گھوم کر اس کی پشت پر چلا گیا اور رؤف اندھیرے میں چلتا ہوا جھاڑیوں کی طرف غائب ہوگیا۔اس آخری مکان کے لوگ یا تو سوگئے تھے یا بالکل خاموش تھے ۔انھیں کسی کی آمد کی خبر تک نہ ہوئی۔

اس وقت ساری بستی پر بھیانک سکوت طاری تھا۔اور رات بتدریج اور گہری سیاہ ہوتی جارہی تھی۔

کچھ دیر بعد میں ہواؤں کے جھکڑ چلنے لگے اور جھاڑیوں میں پتوں کی کھڑ کھڑاہٹ کا شور بڑھ گیا۔رؤف اپنا اوورکوٹ نہیں لایا تھا۔سردی محسوس ہوتے ہی اس نے اپنے کوٹ کے کالر کھڑے کیے۔اس تاریکی میں اپنے سیاہ کوٹ کے ساتھ وہ اس طرح ایک گھنی جھاڑی کی اوٹ میں سمٹا بیٹھا تھا کہ شاید قریب سے گزرنے والے کی توجہ بھی اس کی طرف نہ جاتی۔

کافی دیر بعد جب اس نے ریڈیم ڈائل والی کلائی کی گھڑی دیکھی تو دس بج چکے تھے۔اسے کچھ بھوک محسوس ہونے لگی تو اس نے جیب میں رکھے ہوئے بسکٹ کے پیکٹ سے چند بسکٹ نکال کر کھا لیے۔پشت پر تھرماس موجود تھا۔تھوڑی سی چائے حلق میں انڈیلنے کے بعد وہ پھر تازہ دم ہوگیا۔جنگلی اور ویران علاقے ہوتے ہوئے اس طرف جانوروں کا بھی ڈر تھا لیکن یہ جانور زیادہ خطرناک درندوں میں سے نہ ہوسکتے تھے، اس لیے وہ بے فکری سے بیٹھا تھا۔کچھ دیر بعد اچانک وہ شیری کی ڈکارسن کر اپنی جگہ سے اچھل پڑا۔آواز بہت دور سے نہیں آرہی تھی۔اس کا ہاتھ نا می گن پر چلا گیا جو اس نے اندر کمر سے باندھ رکھی تھی اور کان کھڑے کر کے وہ چاروں طرف کی آہٹ لینے لگا۔

اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ شیری کی ڈکارسن کر بستی کے کسی مکان سے کسی نے جھانکا نہیں۔ممکن ہے ڈر کے مارے کسی نے ہمت نہ کی ہو۔البتہ جانور ضرور زور زور سے چلانے لگے تھے،لیکن سرے والے مکان کی کھڑکی سے کوئی ضرور باہر جھانک رہا تھا۔ایک سایہ سا، جو

اس کے اندر کی روشنی کی وجہ سے نظر آسکتا تھا۔ شیر کی تیسری ڈکار پر ہی رؤف کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ شیر اور اس علاقے میں، ناقابلِ یقین نہ سہی تو بھی حیرتناک بات ضرور تھی۔ مگر وہ پہچان گیا کہ آواز بالے کی تھی۔ بالے کو مختلف جانوروں کی بولیاں بولنے کی اتنی مہارت حاصل تھی کہ نقل پر اصل کا دھوکہ ہوسکتا تھا۔ پھر وہ لاپرواہ ہوکر اپنی جگہ بیٹھ گیا۔ ادھر اس آواز نے مکھیا سکندر کو بھی بری طرح چونکا دیا۔ ان کے خواب وخیال میں بھی نہ تھا کہ۔۔۔

☆☆☆☆☆☆

یہ ناول نامکمل ہے جس کے لئے ہم معذرت خواہ ہیں۔
جونہی بقایا صفحات حاصل ہوئے، اس میں شامل کردئے جائیں گے۔

Akram Allahabadi